عقلِ سلیم

سلیم اللہ

نیرنگیءِ غالبؔ ہو یا ہو جرأتِ اقبالؔ
بارے جنوں کو چاہیے عقلِ سلیمؔ بھی

عقلِ سلیم

سلیم اُللہ

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

مصنف : سلیم اُللہ

سال اشاعت : ۲۰۱۳ء

ISBN: 978-969-441-175-2

writeontop.com
email: write@writeontop.com

علم و شعور سے اگر محرم ہے آدمی
اصلاحِ بد کی جہدِ مسلسل ہے لازمی

فہرست

نمبر شمار		صفحہ
۱۔	شکایت	۱۱
۲۔	ہدایت	۲۴
۳۔	انعام	۴۵
۴۔	انقلاب	۴۸
۵۔	انتخاب	۵۳
۶۔	میری سیاست	۵۷
۷۔	منشور	۶۱
۸۔	اربابِ اختیار	۷۲
۹۔	ریاست	۷۴
۱۰۔	حکومت کا جواب	۸۰
۱۱۔	حزبِ اختلاف	۹۳
۱۲۔	منصف	۹۵
۱۳۔	ابلاغِ عامہ	۹۶
۱۴۔	حکمران	۹۸

نمبر شمار		صفحہ
۱۵۔	تحفہ	۹۹
۱۶۔	نوکر شاہی	۱۰۲
۱۷۔	بغاوت	۱۰۴
۱۸۔	بیداری	۱۰۵
۱۹۔	منافقت	۱۱۱
۲۰۔	امیر اور غریب	۱۱۶
۲۱۔	سیاست	۱۱۷
۲۲۔	ستائش	۱۱۹
۲۳۔	پولیس	۱۲۰
۲۴۔	تبدیلی	۱۲۲
۲۵۔	وفاداری	۱۲۳
۲۶۔	سیاست دان	۱۲۳
۲۷۔	جمہوریت	۱۲۴
۲۸۔	دھمکی	۱۲۴

نمبر شمار	صفحہ
۲۹۔ سازش	۱۲۵
۳۰۔ آج	۱۲۵
۳۱۔ عورت کا مقام	۱۲۶
۳۲۔ پیغام	۱۲۶
۳۳۔ حکمتِ عملی	۱۲۷
۳۴۔ مسیحا	۱۲۷
۳۵۔ ماحول	۱۲۸
۳۶۔ معلّم	۱۲۸
۳۷۔ دوُسری دُنیا	۱۲۹
۳۸۔ ناسمجھی	۱۲۹
۳۹۔ مراعات	۱۳۰
۴۰۔ سلام	۱۳۰
۴۱۔ اصلیت	۱۳۱
۴۲۔ احتساب	۱۳۱
۴۳۔ حقیقت	۱۳۲
۴۴۔ مقصد	۱۳۲
۴۵۔ ظرف	۱۳۳

نمبر شمار	صفحہ
۴۶۔ آمر	۱۳۳
۴۷۔ لیڈر	۱۳۴
۴۸۔ سورج	۱۳۴
۴۹۔ دوست دشمن	۱۳۵
۵۰۔ مخلص	۱۳۵
۵۱۔ اچھا اور بُرا	۱۳۶
۵۲۔ بےضمیر	۱۳۶
۵۳۔ موقع پرست	۱۳۷
۵۴۔ تجزیے	۱۳۷
۵۵۔ سچ اور جھوٹ	۱۳۸
۵۶۔ نیکی اور بدی	۱۳۸
۵۷۔ جوانی	۱۳۹
۵۸۔ عزّت	۱۳۹
۵۹۔ معاہدے	۱۴۰
۶۰۔ انسان اور حیوان	۱۴۰
۶۱۔ موازنہ	۱۴۱
۶۲۔ جمہوری عمل	۱۴۱

نمبر شمار	صفحہ
۶۳۔ رُکاوٹ	۱۴۲
۶۴۔ کمپیوٹر	۱۴۲
۶۵۔ وکالت	۱۴۳
۶۶۔ دہشت گردی	۱۴۴
۶۷۔ نظام	۱۴۸
۶۸۔ سچائی	۱۴۹
۶۹۔ گدائی	۱۵۱
۷۰۔ مذاق	۱۵۴
۷۱۔ تجدید	۱۵۵
۷۲۔ آخری بات	۱۵۶
۷۳۔ خزاں کے بعد	۱۵۸
۷۴۔ کردار	۱۶۰
۷۵۔ باطل	۱۶۱
۷۶۔ زندہ	۱۶۴
۷۷۔ سوُرما	۱۶۶
۷۸۔ ثمر	۱۶۸
۷۹۔ اُمید	۱۶۹

نمبر شمار	صفحہ
۸۰۔ راز	۱۷۰
۸۱۔ آزاد	۱۷۲
۸۲۔ فوج	۱۷۵
۸۳۔ عورت	۱۷۶
۸۴۔ نصیحت	۱۷۹
۸۵۔ ماں	۱۸۵
۸۶۔ ارادہ	۱۸۹
۸۷۔ بنتِ آب	۱۹۱
۸۸۔ وعدہ	۱۹۵
۸۹۔ صنفِ نازک	۱۹۷
۹۰۔ دوُسرا رُخ	۱۹۹
۹۱۔ شریکِ حیات	۲۰۱
۹۲۔ تیرے لیے	۲۰۴
۹۳۔ زندگی	۲۰۷
۹۴۔ خدا	۲۱۰

شکایت

یارب! کیوں پریشاں ہوں میں تیرے جہان میں؟
ملتا نہیں ہے کوئی سرا چیستان میں
گرتا ہی جارہا ہوں میں گہری نچان میں
کیوں ڈال دیا مجھ کو کڑے امتحان میں؟
کیا یہ تری بے لوث اطاعت کا صلہ ہے؟
آج اپنے مصائب کا مجھے تجھ سے گلہ ہے

کرتا ہوں روز تجھ سے دعا خیروبقا کی
آتی نہیں تصویر نظر تیری رضا کی
دھوکا ہی ملا جس سے بھی ہے میں نے وفا کی
بس رہ گئی امید فقط تیری نوا کی
کیا آس ٹوٹ جانا ہی ہے میرا مقدر؟
تعبیر اپنے خوابوں کی پاؤں بھی تو کیونکر؟

ایسے بھی تو انساں ہیں کہ جو تجھ سے دُور ہیں
پر کثرتِ نوازشِ قدرت سے چوُر ہیں

اتنے ہیں خوش نصیب کے دنیا کا نور ہیں
سارے گناہ کرکے بھی وہ بے قصور ہیں
دنیا کے مشاہیر میں ہے اُن کا اک مقام
اور مجھ پہ ہے معبود کا لطف و کرم حرام

افلاس، بھوک، ننگ، جاں سوزی و علالت
ہوں دل فگارِ یورشِ گنجینۂ آفت
کتنے جتن کیے پہ نہ سنبھلی مری حالت
اب اور کچھ آنا ہے تو آنی ہے قیامت
اس خانۂ بے رنگ میں میرا بھی کوئی ہے؟
صحرائے عناں گیر میں دریا بھی کوئی ہے؟

پھنستا ہی جا رہا ہوں میں ذلت کے بھنور میں
ہوں ماہیٔ بے آبِ جلا موجِ بحر میں
تنہا بشکلِ برگِ خزاں سبز شجر میں
کب تک رہوں گا اجنبی میں اپنے ہی گھر میں!
دے مجھ کو رہائی اے خدا اس عذاب سے
چھٹکارا دے اس حالتِ خانہ خراب سے

نہ میری نمازیں، نہ زکوٰۃ اور نہ تلاوت
نہ حج، نہ کلمہ، نہ شب و روز عبادت
کچھ کام نہیں آتا برائے ردِ آفت
کیا کھوچکی ہیں ساری عبادات اہمیت؟
صوم و صلوٰۃ میرے مجھے سکھ نہ دے سکے
کرکے طواف قدمِ قویء القدم تھکے

سنتے ہیں صلہ نیکی کا ملتا ضرور ہے
پھر کیوں مری طاعت کا ثمر مجھ سے دور ہے؟
تیری عنایتوں کا یہ کیسا ظہور ہے؟
عابد حزیں، عاصی غریقِ سرور ہے
کیا سارا صلہ بعدِ قیامت کے لیے ہے؟
اور دنیا فقط رنج و خجالت کے لیے ہے؟

جس جا قدم گئے وہاں پھیلایا ترا نام
ہر خاص و عام کے لیے پہنچا ترا پیغام
گونجا ہے ترے نام سے وہ شہر ہویا گام
اور دستِ دعا اٹھتا ہے دن رات صبح و شام

پر نام لیوا تیرے بہت دل فگار ہیں
تجھ سے نباہ کرکے بھی ہدفِ قہار ہیں

کیوں بن گئے آفات و مصائب مرا نصیب؟
غمگیں ہیں کیوں جو دل سے تجھے رکھتے ہیں قریب؟
کیوں رنج و الم سہنے کو بس رہ گیا غریب؟
اور صاحبِ وفور ہوئے ہیں ترے حبیب
کیوں آزمائشیں فقط بے زر کے لیے ہیں؟
آسائشیں کیوں صرف تونگر کے لیے ہیں؟

کیوں جوش میں آتی نہیں ہے رحمتِ یزداں؟
کب تک رہیں گے بے کس و مجبور پریشاں؟
کب تک رہے گا خون بے گناہوں کا ارزاں؟
اور آفتیں نادار کی دہلیز پہ رقصاں؟
کیا دنیا بناکر تو اسے بھول گیا ہے؟
خلقت سے بے وفائی نہیں ہے تو یہ کیا ہے؟

امیدِ عدل کے سوا کوئی بشر نہیں
پر عدل تیری دنیا میں آتا نظر نہیں

محنت کا اس جہان میں کوئی ثمر نہیں
اور شائقِ پرواز کے ہیں بال و پر نہیں
جب شوق دیا ہے تو ثمر بھی دیا ہوتا
جو پورا تو کرسکتا وہ وعدہ کیا ہوتا

تنہا ہی لڑی جنگ سدا موجِ بحر سے
پر درد کا درماں نہیں پایا ترے در سے
صحرا کی طرح نفس پُنِ عرش کو ترسے
گو فرش کو سیراب کیا خونِ جگر سے
تیری کرم نوازی کی امید چھوڑ دیں؟
دل کو تری اطاعت و رغبت سے موڑ دیں؟

ہم وہ ہیں کبھی تجھ کو جو محبوب رہے ہیں
تیری کرم نوازی سے منسوب رہے ہیں
عالم میں تری ذات کے مندوب رہے ہیں
اور آج تنزل میں عبث ڈوب رہے ہیں
کیا تیرے کرم کو بھی عروج و زوال ہے؟
یا تیرے لیے چاہِ مسلسل وبال ہے

کچھ اتنے غنی ہیں کے زر کی انتہا نہیں
اور کوئی تہی شکم، کہیں کفشِ پا نہیں
ایسے بھی ہیں جو مانتے تجھ کو خدا نہیں
اور کچھ ہیں جن کا کوئی بھی تیرے سوا نہیں
جو دھن کے پجاری ہیں وہی دھن کے خدا ہیں
اور تیری بندگی کے امیں تجھ سے جدا ہیں

آتش تھی کہیں سرد، کہیں تھا یدِ بیضا
پر مجھ کو بندگی کا صلہ تجھ سے کیا ملا؟
کیا امتحان ہی ہے عبادات کی عطا؟
یا ہے مرے ناکردہ جرائم کی یہ سزا!
وہ عقل دے کہ جس سے کھُلیں یہ ترے اسرار
یا دل وہ جو بناسکے آتش کو بھی گلزار

غم سے شکستہ میری یہ دنیا سنوار دے
ان غم زدہ دلوں کو نوائے نکھار دے
نومیدی کی خزاں کو نشاطِ بہار دے
تشنہ شجر کو تازگیِٔ استوار دے

تجھ تک رسائی کو ہے تڑپتی مری دعا
کیا فاصلہ طویل ہے اتنا ترے در کا؟

مجھ سے مری خوشی مری رفتار سے بھاگے
کچھ بُن تو لوں مگر ہوئے کچے مرے دھاگے
ہمسر تھے جو، ہوئے ہیں ہر اک دوڑ میں آگے
اور مجھ کو انتظار کہ رحمت تری جاگے
مایوسیوں نے چاروں طرف سے مجھے گھیرا
دیکھوں میں کیسے چھایا ہے ہر سمت اندھیرا

ہیں اجنبیءِ ظفر، شناسائے درد ہیں
بچھڑے جو قافلے سے، وہ صحرا نورد ہیں
ویرانے میں اڑتے ہوئے ریزہءِ گرد ہیں
مقدور، انا، حوصلہ، سب فرد فرد ہیں
ٹوٹی ہوئی شمشیر سے لڑنا محال ہے
غزوہ کجا، حصولِ غذا بھی وبال ہے

جس دل میں تری آس تھی وہ آج غمی ہے
کیسے سجائیں خواب جب آنکھوں میں نمی ہے

پھر بھی نگاہ تیرے آستاں پہ جمی ہے
بتلا تو دے یارب کیا بھلا ہم میں کمی ہے
سننے کو ہیں بے تاب، ہوئے ہیں ہمہ تن گوش
پھر ہم پہ نہ رکھ دینا تو گمراہیوں کا دوش

گر یہ زوال ہے تو کیوں اتنا طویل ہے؟
مدت سے گم نشانِ وجودِ سبیل ہے
نیکی نہیں، نجات کی پھر کیا دلیل ہے؟
اچھائی اس جہان میں بارِثقیل ہے
مشکل دنوں نے پائی کیوں عمرِ دراز ہے؟
کیا عمرِ ورع، عمرِ تأسف کا راز ہے؟

اس کرب کے عالم میں تو جینا محال ہے
ہے زندگی سزا یہاں، مرنا وبال ہے
ہر ایک زباں پہ یہی اٹکا سوال ہے
فردا کیا ظلم ڈھائے گا جب ایسا حال ہے
یوں چھوڑنا ہی تھا تو بنایا تھا کس لیے؟
صحرا میں سبز باغ دکھایا تھا کس لیے؟

کیڑے کو رزق دیتا ہے پتھر میں تو کیا ہے!
انسان تری دنیا میں فاقوں سے مرا ہے
معصومیت کا اجر یاں ماتم بھی ملا ہے
سینے پہ ظلم کے یہاں تمغہ بھی سجا ہے
یہ عدل ہے تو عدل کو دنیا سے اٹھا لے
بازیچے کو مٹی کے صنم اور بنالے

سنتے تھے کہ تو رہتا ہے شہ رگ سے بھی قریب
پھر کیوں قبولیت نہ دعا کو ہوئی نصیب؟
کیا تیرے لیے بات یہ کچھ بھی نہیں عجیب؟
کہ تجھ سے آس رکھتے ہیں جو، ٹھہرے بے حبیب
کیا یہ وہ پیار ہے جو ماں اولاد سے کرے!
یا تو یہ چاہتا ہے بشر تجھ سے یوں ڈرے!

جب تیرے حکم کے بنا پتّا نہیں ہلتا
الزام کیوں خطا کا پھر انساں کو ہے ملتا!
کیوں گھاؤ ایسا دیتا ہے جو پھر نہیں سلتا
پت جھڑ سے جو مرجھائے کیوں وہ گل نہیں کھلتا!

کیوں بے قصور ہی یہاں ہوتا ہے سزایاب؟
کیا بند ہوچکا ہے تری رحمتوں کا باب؟

کیا معجزے اب صرف کتابوں میں رہ گئے؟
تقسیم و بند نیل کے پانی میں بہہ گئے؟
تیرے لیے بندے ترے کیا کیا نہ سہہ گئے
سولی پہ بھی بے باک تیرا کلمہ کہہ گئے
اب اور تو کیا چاہتا ہے آج بتادے
اس رازِ گراں بار سے اب پردہ اٹھا دے

جو دور کرے مشکلیں بتلادے وہ دعا
دشواریاں فنا ہوں ایسا ورد کر عطا
دیرین اس آزار کی کر کچھ تو تُو دوا
بندے کو اپنے چھوڑ نہ تنہا یوں اے خدا!
تو اب بھی ہے رحیم و کریم آج بتادے
گنجینۂ رحمت بشر پہ پھر سے لٹادے

تو ہی بتا کہ تیرے لیے کیا نہیں کیا
جاں بھی لٹائی، رہ میں تری مال و زر دیا

سینے کیے لبریزِ نورِ شانِ کبریا
مٹ کر بھی ترے نام کو مٹنے نہیں دیا
اور آج ساری دنیا میں بدنام ہوئے ہیں
حرمت کی زیست جینے میں ناکام ہوئے ہیں

ہوگا تری خدائی کو یہ کیسے گوارا
کہ تیرے ہی بندوں کا نہ ہو کوئی سہارا
بربادیٔ تقدیر سے تو ہر کوئی ہارا
پر ملتا نہیں تیری بھی جانب سے اشارا
مشکل کشائی کا ترا وعدہ وہ کیا ہوا؟
بریت کے لیے نیل کا جادہ وہ کیا ہوا؟

بے رحمیٔ قسمت سے بہت دیر لڑے ہیں
سب کچھ لٹا کے اجنبی رستے پہ کھڑے ہیں
بربادی کے عفریت بہت ہم سے بڑے ہیں
سو بے کس و لاچار ترے در پہ پڑے ہیں
یاں بھی نہ ملا عدل تو جائیں گے پھر کدھر!
شاید کہ دعا کرنے کا ہم میں نہیں ہنر

کیوں تیرے التفات کے قابل نہیں رہے؟
اشخاصِ من پسند میں شامل نہیں رہے
صوم و صلوٰۃ سے کبھی غافل نہیں رہے
پر بارِ روزگار کے حامل نہیں رہے
کیا تیری عنایات بھی مربوطِ وقت ہیں؟
کہ اب سخاوتیں تری غیروں پہ ثبت ہیں

حالات کی سختی نے کیے حوصلے مسمار
پر تجھ پہ جاں لٹانے کو ہیں آج بھی تیار
فرمان دے! تُو پائے گا ہر دم ہمیں بیدار
تیرے اک اشارے پہ ہی اٹھ جائے گی تلوار
پل بھر میں کٹ مریں گے تُو جو رہنمائی دے
پر رمزِ ظفر تک ہمیں کچھ تو رسائی دے

توقیر رہی پاس نہ باقی ہے بھرم ہی
منہ دیکھنے کو رہ گئے ہیں رنج و الم ہی
نہ رہنما ملا نہ ہوا تیرا کرم ہی
انساں سے تو اچھا تھا کہ بن جاتے صنم ہی

ذی روح سے بہتر تو ہے اک قالبِ بے جان
نہ آخرت کی فکر، نہ دنیا سے پریشان

دشواریاں ہرسُو ہوں تو ہر سانس سزا ہے
ہوں الجھنیں پیہم تو ہر اک لحظہ غزا ہے
کیوں صبحِ نیکوئی کا صلہ شامِ عزا ہے؟
مٹی سے کھیلنے میں بھی کیا کوئی مزا ہے؟
صحراؤں کی ویرانی کو گلشن کی نوا دے
دوزخ تو ہم نے دیکھ لی جنت بھی دکھا دے

ہدایت

اے بندۂ بے شکر! سنی میں نے تیری آہ
رکھتا ہے دل میں میری مہربانیوں کی چاہ
اور راہِ حق کو چھوڑ کے چلتا ہے اپنی راہ
پھر پوچھتا ہے مجھ سے کہ کیا ہے ترا گناہ؟
گر آج پریشاں ہے تو تیرا قصور ہے
میں اب بھی ہوں رحیم، تو ہی مجھ سے دور ہے

جب تجھ کو سامنے کا نہ رستہ دکھائی دے
پندِعقل کا ایک نہ نغمہ سنائی دے
نیکی بدی، بدخیر کے جیسا دکھائی دے
پھر کیوں گلہ گزاری کرے؟ کیوں دہائی دے؟
تدبیرِ رفعِ رنج و الم تیرے پاس ہے
بھیدِ نجات و خیرِ امم تیرے پاس ہے

صدقِ دہر کو عقل سے پردہ ہٹا کے دیکھ
سود و زیاں سے ذات کو اونچا اٹھا کے دیکھ

نالہءِ شب بھلا، صرودِ صبح گا کے دیکھ
اصلِ ثمر کو حسنِ عمل میں سما کے دیکھ
غیرِ نگاہِ عقل تمنا فضول ہے
حرصِ عطا سوائے عمل تیری بھول ہے

کیا میرا کہا تجھ کو ذرا یاد نہیں ہے؟
تیری ہی خطائیں ہیں جو تو شاد نہیں ہے
دل تیرا مرے نور سے آباد نہیں ہے
بس کہ تجھے لب لہجہءِ فریاد نہیں ہے
اے کاش دل کی آنکھ سے دیکھا کرے کبھی
حقدار ہوکے حق کی تمنا کرے کبھی

کیوں رات دن تڑپتا ہے تو میری یاد میں!
میری رضا چھپی ہے حقوق العباد میں
یزداں کے ساتھ انس بھی ہے حق کی ناد میں
جو رفقِ گُن میں ہے، نہیں زہدِ زیاد میں
انساں کو بنایا کہ خلق پہ ہو مہربان
طاعت کے لیے خوب تھے ورنہ فرشتگان

جھکتی تو ہے ضرور مری بارگاہ میں
پر شرم کا فقدان ہے تیری نگاہ میں
مسجد ہو، مدرسے میں ہو،یا خانقاہ میں
ہرجا ہوئی غریق ہے تیرے گناہ میں
خود کو فریب دیتا ہے یا مجھ کو یہ بتا
یاخیروبد کا تجھ کو تغایر نہیں رہا؟

کیوں مجھ کو عبادات کا بھوکا سمجھ لیا!
طاعت کو ہر اک غم کا مداوا سمجھ لیا!
تکمیل طلب نقش کو پورا سمجھ لیا!
فردوس کے حصول کو سستا سمجھ لیا!
دنیا یہ آخرت کی ہی کھیتی سہی مگر
کھیتی کے قوانین پہ بھی ڈال کچھ نظر

ہر دم حصولِ نفع کی رہتا ہے گھات میں
دل میں جو نہیں، ہے وہ عیاں تیری بات میں
حق کو بھلا کے گم ہوا ہے اپنی ذات میں
پھر ڈھونڈھتا ہے راستہ صوم وصلوٰۃ میں

عظمت کی ہو مثال وہ کردار کہاں ہے؟
ذوقِ نفیس وجذبہءِ بیدار کہاں ہے؟

ہر شے میں بڑے فخر سے کرتا ہے ملاوٹ
مزرع میں، اغذیہ میں، ہے درماں میں ملاوٹ
تاریخ میں، تعلیم میں، عنواں میں ملاوٹ
حتیٰ کہ ہے مویشیءِ قرباں میں ملاوٹ
پھر چاہتا ہے عالمِ خالص ملے تجھے!
اخلاص تیری خو نہیں، مخلص ملے تجھے!

گفتار میں نرمی ہے نہ جذبات پہ قابو
اشرف جو کرے خلق کو وہ تجھ میں نہیں خو
اخلاق کے غازی ہیں قہرمانِ رنگ وبو
بدخلق کرے کیوں مرے احساں کی آرزو!
جو مجھ سے طلب کرتا ہے، خود کرکے تو دکھا
شیریں زبان و نرم دلی کو ادا بنا

پاکیزگی ماحول کی تجھ کو ہے پرائی
قدر اک بقدرِ ذوق بھی تو نے نہ کمائی

دھرتی کے نفس پرقدغن تو نے لگائی
دنیا تو دلفریب تھی تو نے ہی گنوائی
جب نصف نہیں ایماں تو کامل کہاں سے ہو!
مع رجزِ تن، پاکیزگیءِ دل کہاں سے ہو!

نہ نظم ہے تجھ میں نہ ضوابط کا احترام
کیسے بنے گا شہسوار فرسِ بے لگام!
جب ذات تری خود ہو نقائص کا اژدہام
ٹھہرائے کسی اور کو کیوں موردِ الزام!
ہیں راز کئی ضابطہءِ کائنات میں
سمجھے جو اشارے، ہے ثمر اُس کے ہات میں

خودداری بیچ کر اسیرِ انحصار ہے
آزادی، سوچ، فکر، سبھی مستعار ہے
اصلاحِ طرز وترکِ خطا تجھ پہ بار ہے
مدہوشی ہے اتنی کہ سمجھے ہوشیار ہے
جب ہاتھ ترے ہو گئے ہیں محوِ گدائی
کی دستِ غیر نے تری قسمت کی لکھائی

جب سے دبے ذہن میں ابھرتے ہوئے سوال
اس دن سے ہوا دور ترا جانبِ زوال
جُہّالِ جہاں، وجہِ فلاکت، رگِ وبال
علم وعمل اسرارِ بلندی، سرِکمال
کفرانِ نعمتِ فہم تقلیدِ بے ادراک
خوابیدہ ذہن بیخ وبنِ دیدہءِ نمناک

اپنے تجسّس اور سوالوں کو عقل جان
جب تک نہ ہو تحقیق کسی کا کہا نہ مان
پرچار سے دروغ نہیں پاتا سچ کی شان
اقرارِ ذہن وقلب میں ہے قوتِ ایمان
تحقیق نہیں ہے تو فراست بھی نہیں ہے
محکوم ذہن لائقِ عظمت بھی نہیں ہے

کچھ تجھ میں مجھ سا ہے تو وہ عقل وشعور ہے
اور تُو اسی تجلّیءِ حرمت سے دور ہے
میرے کرم کا تجھ پہ یہ کیسا ظہور ہے!
نہ ہے علیم، نہ ہے معز، نہ صبور ہے

خلقت پہ کرے ظلم، رحم کا ہے طلبگار
جو مانگتا ہے دینے کو ہوتا نہیں تیار

کرتا ہے مجھ کو چھوڑ کے پیروں کی اطاعت
پستی نے تری دی ہے ناخداؤں کو عظمت
ہاتھوں میں ترے ہے،، پہ لکھیں وہ تری قسمت
نہ سیپ سے نکلے تو گہر کی ہے کیا قیمت!
جو ہے ترے جیسا وہ تجھ سے ماورا کیوں ہو!
تیری ہی محنتوں پہ پلا رہنما کیوں ہو!

نفرت کے بیج بوتا ہے مذہب کے نام پر
دی فوقیت فساد کو تو نے پیام پر
کینہ کی مہر ثبت ہے ہر ذہنِ خام پر
ساقی لٹائے اور تو رکھے قاب جام پر
اسرارِ موہِ منکریں سحرِ سخن وری
وجدانِ شانِ ایزدی رمزِ صنم گری

فرقے ہیں جابجا، ہے سب کا اپنا سربراہ
کیا ہے عجب کہ ایک نے ہو پائی سب کی راہ

ہوتی جو دل میں میری خوشی اور رضا کی چاہ
دیتا نہ حق کی شکل میں یوں دعوتِ گناہ
جو عقل میں نے دی تجھے، سن اس کی ہدایت
یا اس سے بڑی ہے تجھے پیروں کی نصیحت؟

اعمال سے کرتا ہے شب و روز اہانت
توہین کرے غیر تو آئے تجھے غیرت
نہ تجھ میں سچ، نہ رحم، نہ حرمت، نہ امانت
رہزن ہو محافظ تو کیا ہو حق کی حفاظت!
الفاظ میں کردار کی طاقت سا دم نہیں
گستاخی سے گناہ کسی طور کم نہیں

خوابِ حسد میں جن کی تُو سویا ہے، وہ جاگے
جس نے انہیں پرواز دی اس پر سے تُو بھاگے
تو ناز وتکبر کے ہی بنتا رہا دھاگے
اور وہ ہوئے علم و ہنر کی دوڑ میں آگے
محنت میں ہے عظمت یہ دہر کا اصول ہے
ہے غوطہ زن گہر تو لبِ بحر دھول ہے

پہنچا وہاں برائی جہاں ہے بری نہیں
اب تو نوا ضمیر کی بھی دب گئی کہیں
گونجا ترے شرور سے ہر خطہءِ زمیں
جو شر تھا لاپتا، وہ ترے دل کا ہے مکیں
حیرانگی طاری ہے ساکنانِ فلک پہ
ابلیس آج ہنستا ہے سجدہءِ مَلَک پہ

رہتا ہے سدا تجھ کو مسیحا کا انتظار
اور ہے ضمیر اپنی سنانے کو بے قرار
تدبیر، عقل، تجربہ، ٹھہرے بے اعتبار
پرواز کے شائق کو نہیں بال و پر سے پیار
تقدیر کی تعمیر ہے بنیادِ یقیں پر
کیا عرش کو چھوئے جو نہ چل پائے زمیں پر

خود ہے سراپا تو مری تخلیق کا شہکار
پر تیرا تخیُّل ہوا تقلید کا شکار
آبا جو نام کر گئے، تھے عالم وفنکار
اور تو ہے علم و آگہی سے برسرِ پیکار

تخلیق صفت ہے مری، اپنا کے اسے دیکھ
فطرت میں کئی راز ہیں، دریافت کرکے دیکھ

ناقص ہو ترا علم تو ہر شخص ہے عالم
پستی ہو جو منزل تو ہے گمراہ بھی حاکم
ہر اہلِ ذہن پر حصولِ علم ہے لازم
پیکر ترا وگرنہ ہوگا زیست سے نادم
گر پیروی کرنا ترا ہوتا مجھے مقصود
رکھتا نہ ترے جسد میں میں ذہن کا وجود

ہے برتری کا شوق تو زنجیر توڑ دے
رہبر کر عقل کو،گُنِ تقلید چھوڑ دے
سوئے ہوئے ضمیر کو تُو اب جھنجھوڑ دے
اپنے عمل کو فہم وفراست سے جوڑ دے
عظمت اسی کی ہے جو سنے وقت کی پکار
غافل سدا غلام ہے، آزاد ہے بیدار

نہ کر یقیں کسی پہ، ہو وہ شاہ یا فقیر
جب تک نہ مطمئن ہو تری عقل اور ضمیر

ہر چند کمانوں سے نکلتے ہیں کئی تیر
بیٹھے وہ نشانے پہ، حدف جس سے ہو تسخیر
کیونکر کرے کوئی تجھے تقلید پہ مائل!
جو اس کو میسر ہے وہ تجھ کو بھی ہے حاصل

کرتا ہے وسائل کا تُو دل کھول کر زیاں
ناشکریءِ نعمت ہے ترے طرز میں عیاں
پیہم رہی روش تری یوں ہی اگر رواں
مٹ جائے گا اک دن تری نسلوں کا بھی نشاں
یہ وقت، یہ وسیلے، ہیں محدود جان لے
نسلوں کی بھلائی کو اپنا فرض مان لے

چُنتا ہے رہنماؤں کو طبقے سے، ذات سے
بدحالی تری ہے ترے غش کے ثبات سے
قسمت کے فیصلے کرے ہے دل کی بات سے
اور عقل ہے محروم ترے التفات سے
دستور نہ بدلے تو غلامی میں رہے گا
تیرے گا نہیں تو یونہی موجوں میں بہے گا

کچھ رہبروں کی ہوتی نہیں ختم خواہشیں
اور کچھ کو ہیں عزیز نمود و نمائشیں
کچھ کو نظر آجاتی ہیں ہر شے میں سازشیں
اور دہن سے برستی ہیں دھوکوں کی بارشیں
جب تک ہیں مناصب پہ منافق براجمان
یوں ہی گھرا رہے گا مصائب کے درمیان

جمہور کا حصہ ہے، پہ جمہوریت سے بیر
فرعون کے کفیل کو فرعونیت سے بیر
مخمور کرکے خود، رکھے مخموریت سے بیر
تمکیں پرست عوام کو ہے تمکنت سے بیر
علم وفہم سے گر متحلّی عوام ہو
گننا بھی تولنے کے برابر کا کام ہو

یہ جان لے کہ علم ہی دے گا تجھے شعور
لیکن نہیں رہینِ سند آگہی کا نور
پیہم تلاش مصدرِ تسخیرِ نیل و طور
دل وا ہو تو تجلّیءِ عرفاں کا ہو ظہور

اسرار کھولنے ہیں تو افکار اور کر
تاریخ، طبیعات و مذاہب پہ غور کر

ہنگام اپنی دوڑ ہے آگے لگا رہا
جو رک گیا وہ وقت سے پیچھے ہے جارہا
رہبر ہے تجھے پالتو حیواں بنارہا
گرہے وہ تری سوچ پہ پہرے لگا رہا
نورِ خرد کو سونپ دے اعزازِ امامت
جوشِ عمل کو چاہیے جذبوں کی طہارت

مشکل نہیں جہاں میں کمانا تجھے عزّت
پیدا جو کرے خود میں تو کردار کی طاقت
یکساں حقوق دیتی ہے ہر فرد کو قدرت
افضل ہے وہ کہ جس میں ہے برداشت کی قوت
جذبوں میں وہ ایثار کی گرمی کہاں گئی؟
وہ دل گداز لہجوں کی نرمی کہاں گئی؟

دنیا کو فتح کرنے کی دل میں ہے تمنا
اور نفس ترا تیری نظارت سے ماورا

کب قبضۂ زمیں نے دلوں کو فتح کیا!
ہو راج دلوں پہ تو ذرّہ ذرّہ ہے ترا
پابند ہے، جس دل میں تصرّف کا رنگ ہے
غلبے کی نہیں رزم، بقا کی یہ جنگ ہے

پہنچا ہے کون کیسے کہاں، ہو تجھے معلوم
سیراب ہو ذہن از درایت فزا علوم
موجود چار سُو ہے علامات کا ہجوم
غافل کا ہوا دہر سے نام و نشاں معدوم
میلان اپنا طرفِ زمان ومکان کر
اقوام کی تاریخ پہ بھی کچھ دھیان کر

ہے علم وآگہی تری نجات کی کلید
غفلت سے تری ہوتے رہے غیر مستفید
یونہی بنائے رکھے گی تجھ کو تری تقلید
آہن گروں کے ہاتھ میں پگھلا ہوا حدید
مت بھول سوچنے کو تجھے عقل میں نے دی
ایماں جو دیا میں نے تو منطق بھی میں نے دی

جو بے شعور ہیں انہیں اپنا شعور دے
اک پھول کیا لڑ پائے گا صحرا کی گرد سے
سیراب کر دلوں کو اپنے نورِ علم سے
ہوگا نہ منعکس تو جلا ڈالے گا تجھے
محدود علم ہو تو حکمراں ہے جہالت
آہن کے لیے شرم ہے مٹی کی عمارت

تقدیر کے فریادی کی تدبیر کہاں ہے؟
اعمال میں اخلاق کی زنجیر کہاں ہے؟
حیواں کو کرے انس وہ اکسیر کہاں ہے؟
خواہانِ عدل، عدل کی تصویر کہاں ہے!
میری شبیہ کو کیوں عیب راس آئے گا!
میری صفت اپنائے گا تو مجھ کو پائے گا

ہر ایک دوسروں پہ ہے انگلی اٹھا رہا
اور خود بدی کا موقع نہ کوئی گنوا رہا
امید خیر کی ہے ہر اک سے لگارہا
اپنے کیے پہ دھیان کسی کا نہ جارہا

اصلاح اپنی ذات کی کرلے جو ہر بشر
شکوہ رہے نظام سے، نہ ذلتوں کا ڈر

ان ہاتھوں نے ہی بارہا تقدیر بنائی
پھر کیوں یدِ بیضا کی ترے دل میں سمائی!
کیوں روتا ہے تیرے لیے نہ آگ بجھائی!
جب آتشِ نفرت جابجا تو نے جلائی
رستے میں کامرانی کے آسانیاں نہیں
لازم ہے جدوجہد، مہربانیاں نہیں

شکوے کی خو کو ترک کر، کوشش پہ رکھ یقیں
آنسو نہ بہا، استوار کر دلِ حزیں
محنت کے عرق سے بھی ذرا تر ہو یہ جبیں
ہے عزمِ مصمم جہاں، منزل بھی ہے وہیں
دیکھے گا دوُر سے تو سمندر بھی پیاس ہے
غیرِ سعی آسِ اجر مکرِ قیاس ہے

ہر شے میں ہے رواں تغیرات کا عمل
جو کل تھا، نہیں آج، ہے جو آج، نہیں کل

ثابت قدم رہ، وقت کے سانچے میں بھی تو ڈھل
جز دیکھ مگر گُل نہ ہو نگاہ سے اوجھل
مدّوجزر میں ہو اگر کھینے کا قرینہ
طوفاں میں ہو ساحل سے ہم کنار سفینہ

نہ التجائیں بدلیں گی نہ معجزے تقدیر
نہ عمل کی ترغیب میں لپٹی ہوئی تحریر
نہ جوش سے لبریز سخن دان کی تقریر
کچھ کارگر ہوگا تو وہ ہوگی تری تدبیر
ہر فرد ذمہ دار ہے خود اپنے حال کا
زندہ نہیں جو روتا ہے رونا وبال کا

ہر روح میں مضمر ہے ایک گوہرِ نایاب
تاپا نہ سکے جو اسے، کیا ہوگا جہاں تاب!
ہے جستجوءِ نقصِ غیر روزنِ گرداب
غفلت شعار ہمسرِ غارت گرِ اسباب
خوبی ہے خوب اپنی خامیوں کو دیکھنا
کوتاہیوں کی اصل سے اسباق سیکھنا

جو دست دعا کو اٹھے کوشش بھی اس میں ہے
جو آنکھ خواب دیکھے بصیرت بھی اس میں ہے
جس دل میں آرزو ہے عنایت بھی اس میں ہے
جس ذہن میں ہے یاس، جستجو بھی اس میں ہے
اہلِ خرد کے واسطے ہیں نعمتیں ہزار
گنجینہءِ بے حد ہے تصرف کا طلبگار

تسخیر کی ہوس ہے تو کر نفس کی تسخیر
کر خود پہ بھروسہ، نہ بن گدائی کا اسیر
خودداریءِ ہستی کی ہے یہ کون سی تصویر؟
دشمن کہے جسے اُسی سے مانگے ہے شمشیر
موقوف ہے سوال پہ تو کیا ہے سروَری!
فقرِ بے مدار ہمسرِ شانِ سکندری

دل میں تو ترے آرزوئے لطف وکرم ہے
پر رحم کی رمَق ترے طریق میں کم ہے
کتنے دُکھی دلوں کے بتا بانٹتا غم ہے؟
خود غرضی پہ موقوف آج تیرا دھرم ہے

آنسو بس اپنی آنکھ کے ہی آتے ہیں نظر
اوروں کے دکھوں کی بھی تجھے کوئی ہے خبر!

کہتا ہے خود کو سازشوں کا ازل سے شکار
جیسے کہ چابی سے ہو کھلونے پہ اختیار
بیکار ہی دیا تجھے یہ عقل کا شہکار
جب سمجھ ہی نہ پائے ہوا ہے کہاں سے وار
الزام اپنا دوسروں کے سر جو دھرے گا
درماں ترے دکھوں کا بتا کون کرے گا!

لیتا ہے نام میرا تُو کرتا ہے دعا بھی
لیکن شفا کے واسطے لازم ہے دوا بھی
درماں بھی ترے پاس ہے اورغم سے شفا بھی
ہر شور میں سن پائے اگر حق کی نوا بھی
ہر چیز مجھ پہ چھوڑ کے خود محوِ خواب ہے
گرتا ہے تو کہتا ہے کہ قسمت خراب ہے

گرنے سے جو ڈرتا ہو وہ کیا دوڑ سکے گا!
پرواز اُس کی ہے جو کئی بار گرے گا

جو پالے گا شجر کو ثمر اس کو ملے گا
خوشیوں پہ حق اسی کا ہے جو غم بھی سہے گا
ناکامی تو رستے میں ایک سنگِ میل ہے
شوق و ثمر کے بیچ میں جہدِ طویل ہے

توقیر تری، تیری تگ و دو میں نہاں ہے
تخلیق میں، تسخیر میں، کوشش ہی عیاں ہے
غیرِ ثباتِ عزم تری زیست کہاں ہے!
انساں کے ارادے سے ہی خوں رگ میں رواں ہے
کرتا ہے لاموجود سے موجود کی تشکیل
وہ قصد ہے تجھ میں کرے ظلمت کو جو قندیل

تم میں جو ذی شعور ہیں وہ لوگ کہاں ہیں؟
رہبر ہیں یا رستے پہ جمے پا کے نشاں ہیں؟
دل میں ہی جو رہ جائے وہ منبر کی اذاں ہیں؟
یا عقل وتدبّر کا فقط ایک گماں ہیں؟
لائق ہی نہ ہو، ایسی لیاقت سے کیا حاصل
باطل سے نہ ٹکرائیں تو اخیار ہیں باطل

حالات بدلنے ہیں تو خود کو بدل ذرا
شوقِ ثمر کو بخش دے ذوقِ عمل ذرا
علم وفہم سے زیست کو کرلے سہل ذرا
کردار میں اخلاق کو کرلے اٹل ذرا
رکھ پائیدار میرے شارحین سے رشتے
ذہن اور ضمیر ازل سے ہیں تیرے فرشتے

انعام

ایک مفلس مر رہا تھا بھوک سے اک سڑک پر
تن پہ کپڑے نام کو تھے، تھا نہ اُس کا کوئی گھر

حکمرانِ وقت گزرا اُس سڑک سے دفعتہً
شان و شوکت تھی مثالی، سیم و زر تھے زیبِ تن

دیکھ کر سلطاں کو مفلس کو ہوئی امیدِ بام
جوڑ کر ہاتھوں کو سلطاں سے ہوا وہ ہم کلام

اپنی مجبوری کا قصہ وہ سنا کر رو پڑا
ضعف سے نہ رہ سکا وہ اپنے پیروں پر کھڑا

کہتا تھا بیٹی گئی ملکِ عدم افلاس سے
اور بیٹا مرچکا ہے قلّتِ اجناس سے

ماں مِری بیمار ہے پر کوئی بھی درماں نہیں
زیست تیرے شہر میں مزدور کی آساں نہیں

بھوک، غربت، تنگ، بیماری ہے، میں ہوں دربدر
نہ ہی کھانے کو ملے روٹی، نہ ہی رہنے کو گھر

کھایا غم ہم نے سدا اور آنسوؤں کو ہے پیا
حکمرانی نے تری ہم مفلسوں کو کیا دیا؟

سن کے اُس کی بات، سلطاں نے رعونت سے کہا
ملک کو جمہوریت کا تحفہ ہم نے ہے دیا

کیوں تو روتا ہے، یہ ناشکری ہے، رب کا شکر کر
آئینی ترمیم ہم نے کی ہے جاں پہ کھیل کر

غم نہ کر غربت کا، تیرے ساتھ ہیں صد جاں نثار
تیری خاطر ہم نے صوبوں کو کیا بااختیار

صحت و تعلیم تیری، اب مِری ترجیح ہے
کی وزیروں کو مدد کی میں نے اب تنبیہ ہے

تو بہادر قوم کا اک فرد ہے، تجھ پہ ہے ناز
تیری عظمت نے کِیا ہے اس وطن کو سرفراز

کہہ کے اپنی بات سلطاں نے وزیروں سے کہا
کچھ روپے اس قوم کے فرزند کو کردو عطا

کہہ کے یہ، سلطاں ہوا شاہی سواری میں سوار
اور وزیروں نے کیا مفلس کو پابندِ قطار

سن کے باتیں شاہ کی، حیرت میں مفلس پڑ گیا
رہ گیا تالی بجاتا اور گِر کر مرگیا

انقلاب

ہر شخص کی زباں پہ لفظ ''انقلاب'' ہے
پر جانتا کوئی نہیں کیا انقلاب ہے

ملت کا ہر اک فرد جو کھولے گا نیا باب
تب دور نیا آئے گا، آئے گا انقلاب

جب تالیاں وعدوں پہ نہ بجائے گا کوئی
جب عہد پورے ہوں گے تب سراہے گا کوئی

محلوں کو اپنے اہلِ اقتدار چھوڑ کر
خدمت کریں گے قوم کی، ہر رسم توڑ کر

جب حاکم و محکوم میں تفریق نہ ہوگی
فرعونیت کی اِنس کو توفیق نہ ہوگی

رہبر کی پرورش نہیں کرے گی جب عوام
جب حاکموں کی ساکھ بنائے گا ان کا کام

منصوبے جب بنیں گے قوم کی بھلائی کے
جب دعوے کھوکھلے نہ ہوں گے ہم نوائی کے

سرکاری مکتبوں میں ہوں گے طفلِ حاکمیں
ہوگا علاج حکمراں کے مرض کا یہیں

سیلاب سے ڈوبے گا نہیں گھر غریب کا
جب طعنہ نہ مفلس کو ملے گا نصیب کا

جب فیصلے کرے گی یہ عوام عقل سے
جب حکمراں چلائیں گے نظام عدل سے

تعلیم کا نظام یہاں ہوگا جب جدید
ہر فرد علم و آگہی سے ہوگا مستفید

ہوگا ہر ایک کے لیے قانون برابر
سمجھے گا خود کو خادمِ عوام ہر افسر

پابندیِ قانون جب ہر فرد کرے گا
رشوت کے، سفارش کے شرر سرد کرے گا

جب انتہاپسندی کا نہ ہوگا زور یاں
جب اقلیت کی ہوگی ساری قوم نگہباں

نفرت کی رو میں جب نہ یہ افراد بہیں گے
فرقے سب ایک دوسرے سے مل کے رہیں گے

جب ووٹ کا حقدار ہوگا صاحبِ کردار
ہوجائیں گے جب مسترد بدکار و ریاکار

ہر طبقے پہ محصول جب لگایا جائے گا
جب کوئی اثاثہ بھی نہ چھپایا جائے گا

اک دوسرے کی ٹانگ نہ کھینچیں گے جب عوام
ہوگا نہ کرپشن کا افسران پہ الزام

جب جوڑ توڑ کی نہ سیاست یہاں ہوگی
خدمت ہی سیاست کے لیے قلب و جاں ہوگی

جب عافیتِ جان و زر پہ ہوگا اعتقاد
جب قوم کو محافظوں پہ ہوگا اعتماد

جب اہلیت پہ ہوں گی یاں تمام بھرتیاں
جب ذاتی فائدے نہ اٹھائیں گے حکمراں

ترجیحِ اولین ہوں گی صحت و تعلیم
دنیا کرے گی دل سے جب اِس قوم کی تعظیم

جب انحصار ملک نہ غیروں پہ کرے گا
دم اس کے تمدن کا جب ہر ملک بھرے گا

عورت حقوق کے لیے در در نہ پھرے گی
جب عدل کے حصول میں نہ دیر لگے گی

جب فیصلے کرنے سے نہ گھبرائیں گے لیڈر
جب سوچ ان کی ہوگی فکرِ عام سے بڑھ کر

جب قوم کی فلاح کا معاملہ ہوگا
قانون سازی کا عمل دشوار نہ ہوگا

رہبر کی خطا پہ اٹھائی جائے گی آواز
ہوگا خوشامدوں میں نہ محبوبیت کا راز

جب مکتبوں میں ایک سا نصاب آئے گا
تب جان لو حقیقی انقلاب آئے گا

انتخاب

اِس بار انتخاب میں اُس کے لیے مِرا ووٹ ہے
نہیں جھوٹ جس کی زبان پر، نہ ہی دل میں جس کے کوئی کھوٹ ہے

ہو مصیبتوں میں بھی ساتھ جو، نہ بیان بازی کرے فقط
ہو خلوص جس کی عمل میں بھی، نہ زبان سے دم بھرے فقط

جو نہ سو سکے یہاں جب تلک اک بھی مکاں ڈوبا رہے
جب تک نہیں روٹی ملے ہر فرد کو، بھوکا رہے

شہ خرچیوں سے ناآشنا، جو حقِ امانت ادا کرے
ہوں عوام آفت زدہ کبھی، تو وہ اپنا مال بھی فدا کرے

سب مخالفوں کی زباں پہ بھی رہے ذکر جس کی بڑائی کا
جو بنے نہ دنیا کے سامنے کبھی سامان جگ ہنسائی کا

نہ ڈرے وہ دہشت گروں سے ہی، نہ جھکے وہ ظلم کے سامنے
نہ خواص پہ کرے خرچ وہ، جو دیا ہو اُس کو عوام نے

کرے ذکر اپنے مخالفوں کا بھی احترام سے جو سدا
جو دے بددعاؤں کے جواب میں انہیں راہِ راست کی ہی دعا

حاوی رہے جذبات پر، رکھے ضبط خود پہ جو طیش میں
ہو رہن سہن میں میانہ رو، ہو نہ محو دامنِ عیش میں

نہ ہو مال و زر کو وہ پوجتا، ہو بری وہ ہر الزام سے
پاکیزگی منسوب ہو جس اعلیٰ ظرف کے نام سے

منصب کو خدمتِ خلق کا مصدر گِنے، نہ کہ نفع کا
پیکر ہو جو اخلاق کا، کردار کا اور وضع کا

نہ شناخت جس کی ہو مال و زر، پہچان ہو کردار سے
جو دکھائی دے ہو کے الگ خود خواہوں کے انبار سے

خودداری کو جو نہ بیچ دے افلاس کے بازار میں
جو کرے عوام کو سرخرو، نہ جھکائے سر دربار میں

جو دلا سکے امیدِ نو، نومیدی کے طوفان میں
لا سکتا ہو تدبیر سے، بے جان کو ہیجان میں

جو کرے پسند اپنے لیے، وہی ہو عوام کے واسطے
کرے قوم کو رہِ راست پر، خود بھی چلے اسی راستے

رکھے اعتراف کا حوصلہ، جو کبھی ہو سرزد خطا کوئی
کرے انتقادِ عمائدیں، بے نیازِ حرصِ عطا کوئی

نہ ہو ملک کے گر مفاد میں، تو کرے نہ کوئی مفاہمت
یہ عوام جب بھی ہوں منقسم، تو دلوں میں لائے یگانگت

جو دلائے حق مزدور کو، سرمائے کے اس جہان میں
جو سمجھ سکے کہ کیا فرق ہے، پرزے میں اور انسان میں

رہے جیت میں بھی جو منکسر، رہے ہار کر بھی جو باوقار
رکھے اعتدال مزاج میں، نہ کرے جو اپنی حدوں کو پار

کرے دُور بدعنوانیاں، بلاامتیاز کرے احتساب
رکھے فاصلہ ریاکار سے، برتے جو مکر سے اجتناب

سمجھے جو اپنے عوام کو، اپنی سگی اولاد سا
نہ کہ وہ کہ جس کا قوم سے برتاؤ ہو صیّاد سا

نہ جو مدح سرائی سے بہک سکے، نہ ہو ماورا تنقید سے
جو ہو رہبری کی عمدہ مثال، بچے بے سبب تقلید سے

رکھے حوصلہ تنقید کا، ہو غلط اگر رہبر کہیں
غیرِ عبادتِ ایزدی، جھکتی نہ ہو جس کی جبیں

نہ لگا ہو جوڑ اور توڑ میں ہمیں مشکلوں میں جو چھوڑ کے
نہ کرے محل تعمیر جو امیدِ خلق کو توڑ کے

نہ ہی چیخنے چلانے کے انداز کو اپنائے جو
کرے بات جب بھی وہ سچ کرے، احمق ہمیں نہ بنائے جو

محصول دیتا ہو جو سدا، اور قوم کو لوٹے نہیں
نہ کرے جو دولت منتقل اس ملک سے باہر کہیں

رکھے فاصلہ نہ عوام سے، کرے ختم اپنا حجاب جو
نظر آئے حلقے میں سال بھر، نہ کہ وقتِ انتخاب جو

اقدار جس میں ہوں یہ سبھی، وہی بس مرا انتخاب ہے
نہ کیا اگر یہ فیصلہ، تو حیات میری عذاب ہے

میری سیاست

بہت اب ہوچکی، یہ آج خود سے عہد ہے میرا
نہیں ہوگا مِری سوچوں پہ کالی رات کا ڈیرہ

وہ کر دکھلاؤں گا امید جو ملت کو مجھ سے ہے
مجھے احساس ہے کے صبحِ نو کی پہل مجھ سے ہے

بہت عیاشیاں کیں، کیوں نہ ایسے کام اب کرجاؤں
کہ آنے والی نسلیں جب بھی شاداں ہوں تو میں یاد آؤں

ہوا بدنام اتنا کہ رہی عزت نہیں کوئی
یہ کیسی زیست ہے کہ زیست کی حرمت نہیں کوئی

کروں کیا خاک اس دولت کا جو عزت نہ دے پائے
وہ منصب کیا عوام الناس کے نہ کام جو آئے!

بدی کی پردہ پوشی رہ گیا ہے کام اب میرا!
کیا ذلت سے لیا جاتا رہے گا نام اب میرا!

خوشامد کے لیے ہی کیا سیاست میں میں آیا تھا!
اسی مقصد کو لے کر نام کیا میں نے کمایا تھا!

کیا رہبر کے اشاروں پر ہی میں ناچا کروں ہر دم!
کہاں ہے میری خودداری، کہاں ہے بشریت کا غم!

اگر لبیک کہنا ہے، صدائے حق پہ کیوں نہ ہو!
اٹھا کے سر جیوں، یہ زندگی مشکل ہی کیوں نہ ہو!

میں جو ہوں، جو بنوں گا، ہے یہ سب میری ہی قدرت میں
نہیں آپائے گا کوئی شگاف اب میری ہمت میں

رہے گا رشتہ رہبر سے مساواتِ دوامی کا
کہ میں نے توڑ ڈالا طوق ہے دورِ غلامی کا

نہیں ہوگا اب ایسا کام نظریں جس سے جھک جائیں
قدم خوشحالی و علم و عمل کے مجھ سے رک جائیں

مِرا بھی نام اب آئے گا ملت کے ستاروں میں
کہ میں اب بہہ نہیں سکتا طمع کے بہتے دھاروں میں

نہیں میں جانور کہ کوئی مجھ کو ہانکتا ہی جائے
نہ وہ ملزم ہوں کہ الزام سے جو بھاگتا ہی جائے

نہیں ذرّہ زمیں کا وہ ہواؤں میں جو گم ہوجائے
نہ وہ بے نام جس کا نام نسیاں کی نظر ہوجائے

بناؤں کیوں نہ اپنے نام کی میں اک نئی پہچان!
بھروسہ مجھ پہ جو رکھیں، رکھوں میں کیوں نہ اُن کا مان!

مِرے حق میں جو اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں
مِرے وعدوں پہ جیتے ہیں، مِرے وعدوں پہ مرتے ہیں

اگر ووٹر کو اُس کا حق دلا ہی میں نہیں سکتا
تو اُس کا پیشوا کہلانے کا میں حق نہیں رکھتا

وہ منصب چھوڑ دوں گا اہل جس کا میں نہیں رہتا
کیوں عہدے سے رہوں چمٹا، بشر گر ظلم ہو سہتا!

کیوں مغرب کی طرف دیکھیں برائے مثلِ اعلیٰ طرز!
مِرا کردار اب ہوگا بلند، خدمت مِری بے غرض

نہیں آسائشوں کا اب میں بھوکا، نہ ہی دولت کا
کہ اب میں شوق رکھتا ہوں فقط انساں کی خدمت کا

نہیں پہنچاؤں گا میں فائدہ خود کو یہاں تب تک
مصیبت میں گِھرا ہے قوم کا اک فرد بھی جب تک

زمیں، شہرت، مناصب، دھن، طمع اور حکمرانی سے
میں بالاتر ہوں ادنیٰ توشۂ دنیائے فانی سے

نہیں باتوں میں الجھاؤں گا میں معصوم لوگوں کو
عمل کو میں بناؤں گا زباں، نایاب حرفوں کو

میں وہ کردار رکھوں گا کہ دنیا کو بھرم آئے
نہ کہ ایسا کہ اگلی نسل کو مجھ پر شرم آئے

میں دکھلا دوں گا مجھ میں غیرتِ ہیجان ہے باقی
جھکاؤں گا نہ سر جب تک جسم میں جان ہے باقی

منشور

قوم کی خدمت کے جذبے سے مِرا دل چور ہے
اپنی ہستی کو مٹا دینا مِرا دستور ہے
عزّ و شان اس کے لیے ہے حرص سے جو دور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

میری نظروں میں مساوی ہوں گے امرا اور فقیر
اِنس نہ معبود ہوگا، نہ کوئی ہوگا حقیر
درجہ بندی فرد کی اقوام کا ناسور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

سب کی شرکت ہوگی محصولات میں حسبِ بساط
اس میں نہ افراط ہوگا، نہ ہی ہوگا انحطاط
سرقۂ محصول کرتا بھیک پر مجبور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

ہر بشر کے واسطے تعلیم ہوگی لازمی
علم سے محروم رہ کرکیا بنے گا آدمی!
بوجھ ہے ہستی پہ اپنی، علم سے جو دور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

ہوگی صحت بھی میسر ملک کے ہر فرد کو
رہنما کیسا، نہ سمجھے جو عوام کے درد کو!
حیف رہبر پہ، عوام اُس کی اگر رنجور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

چاہے مذہب جو بھی ہو، آزاد ہوگا ہر وجود
کم نظری سے جڑا ہے امنِ عالم کا جمود
نوعِ انساں میں ہی پوشیدہ خدا کا نور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

فرقے سارے اب رہیں گے مل کے مثلِ خاندان
کیا سبق نسلوں کو دیں گے بغض ہوگر درمیان!
آج کا معمار کل کی ساخت پر مامور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

اب نہیں ہوگا تصور قابض و مفتوح کا
نہ ہی استحصال ہوگا ایک بھی ذی روح کا
پوری آزادی نہیں گر ایک بھی مجبور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

بالاتر کوئی نہ ہوگا ملک کے قانون سے
ہوں قوی فرعون سے یا مال ور قارون سے
نظم و ضبطِ لشکری ہی تمغہءِ منصور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

اجرتیں محنت کشوں کی منصفانہ ہوں گی اب
رسمیں کاروبار کی نہ ظالمانہ ہوں گی اب
ہے مفکر ذہن تو روحِ رواں مزدور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

اب لیاقت کے سوا منصب نہیں مل پائے گا
بے عمل تاریکیءِ نسیاں میں گم ہوجائے گا
حق سے غافل ہے مئے نسبت سے جو مخمور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

نہ کسی بھی فرد کو ہوگی وطن پر فوقیت
نہ وسائل ملک کے ہوں گے کسی کی ملکیت
ذاتی خواہشات میں، جنگلی ہے، جو محصور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

عدلیہ ہو، انتظامی ڈھانچ ہو، یا پارلمان
متحد ہوں گے ادارے سب بشکلِ جسم و جان
ہوں ستوں مضبوط تو ہر زلزلہ معذور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

ہو پڑوسی ملک یا ہو وہ کوئی طاقت بڑی
باہمی حرمت کے دم پر ہم رکھیں گے دوستی
امنِ عالم الفتِ اقوام سے مصدور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

ہیں مخالف بھی ہمارے واجبِ صد احترام
بہتری جز نکتہ چیں کیا ہو درونِ انتظام!
کلمہءِ تنقید پہ کامل بہت مشکور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

اپنی ہر کوتاہی کا ہم خود کریں گے اعتراف
مجرمانہ غفلتیں لیکن نہیں ہوں گی معاف
فیصلہ ایوانِ منصف کا ہمیں منظور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

ہوگی قربت قوم سے، سب فاصلے مٹ جائیں گے
جذبہءِ خدمت سے دوری کے نشاں مٹ جائیں گے
وہ ریاست امر ہے، خوش دل جہاں جمہور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

اب معیشت کی ترقی ہوگی ترجیحات میں
بندشیں لگ جائیں گی اب خرچوں کی بہتات میں
اعتدالِ حاکمیں خوش حالی کا منشور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

اس زمیں پر کوئی بھی اب سوئے گا بھوکا نہیں
نہ کوئی ہوگا کہ جس کے جسم پر کپڑا نہیں
ہے وطن وہ ہی کہ جس میں ہر بشر معمور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

مسئلے ہوں گے عقل سے حل، نہ کہ جذبات سے
بے شعور افراد غافل ہیں اصل ثمرات سے
تصفیہ مبنی فراست پہ نوشتِ نور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

مان لیں گے سب کہ اپنا ہر عمل شفاف ہے
کیوں چھپائیں کچھ کہ دل بے کھوٹ، نیت صاف ہے
نہ ارادے اپنے مخفی، نہ روِش مستور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

اب ٹھکانہ ہوگا بدعنوان کا زندان میں
فرق نہ ہوگا یہاں رعیت میں اور سلطان میں
عدل فقر و زر کے یکساں رہنے پر مجبور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

علم کی صحبت میں ہوں گے فہم اور ادراک بھی
فرشی تعلیمات بھی، آگاہیءِ افلاک بھی
علم غیرِ عقل و حکمت کوکبِ بے نور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

اب نظام اس ملک کے بہتر بنائے جائیں گے
اور نظام ہائے ریاست ناظمیں بن جائیں گے
منحصر گر فرد پہ ملت ہے تو معذور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

ہر جگہ نافذ کریں گے یکساں تعلیمی نظام
ہے حصولِ علم مستثنیٰءِ فرقِ خاص و عام
علم کے آگے کوئی گمنام نہ مشہور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

احتیاجِ ثانوی ہو یا ہوں بنیادی حقوق
سب بہم پہنچانے کا ہم کرتے ہیں عہدِ وثوق
ہر بشر آسودہ ہو، وہ دن نہیں اب دور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

عدلیہ، ابلاغِ عامہ، صدر، ناظم، پارلمان
ہوں گے نہ اک دوسرے سے اب کبھی یہ بدگمان
دورِ حاضر کا یہی اب فیصلہ مصدور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

کوئی دہشت گرد ہو یا مذہبِ گھمسان ہو
سرنگوں ہوگا ریاست کا جہاں فرمان ہو
حق کے آگے خم برائی کا سرِ مغرور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

قوم کی خوش حالی ہوگی ہر امر سے بالاتر
ملکی عافیت کو پہنچے گی نہیں کوئی ضرر
عزم و ہمت سے توانا قوم یہ غیور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

بردباری ہوگا شیوہ نسبتِ حرفا میں اب
نرمی و اخلاق فاتح، مات ہے قہر و غضب
ہے بنی ہر جانشیں اور طرزِ مورث طوُر ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

ہوگا نہ اب سلب کوئی بھی حقِ نسواں کبھی
نہ قدم بد کے اٹھیں گے جانبِ طفلاں کبھی
حق ہی نہ دلوا سکے جو دور، وہ دیجور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

اب نزاعاتِ کلاں کی ہم تہوں تک جائیں گے
جڑ نہیں کاٹی تو برگ و خار پھر اُگ آئیں گے
زہر خوں میں ہو تو قطعِ نبض بھی منظور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

ہر رکاوٹ ہوگی رد قانون سازی کے طفیل
مہرِ صبحِ نو علاجِ ظلمتِ زنجیرِ لیل
کیوں نہ ہو صادر جہاں حاضر نہیں مصدور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

ہوگی تنظیمِ جماعت مثلِ جمہوری عمل
دیں گے جو تجویز، ہوگا پہلے خود اس پر عمل
ملک کی طاقت ہے جو، اپنا وہی مقدور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

ملک کا پرچم نظر آئے گا ہر ہر گام پر
جان رہبر پر نہیں، دیں گے وطن کے نام پر
ملک اپنا مہر و ماہ، قوم یہ مہ نور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

ہوگئی یاں بہت طاعت اور مدحِ شخصیت
ہے مگر اپنی سیاست انعکاسِ نظریت
شخصیت تابع، نظریہ حزب کا مقدور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

ہو خُرد میعاد یا پھر ہو وہ مستقبل بعید
ہوگی اب منصوبہ سازی شکلِ مستحکم حدید
غافلِ دیروز و فردا کا ثمر دیجور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

شعبدہ بازی، نمائش، شور و شر، دنگا، فساد
ادنیٰ ان اطوار پہ اپنا نہیں ہے اعتقاد
ہم میں کوئی خودنما ہے نہ کوئی مغرور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

ہوں گے گر ایوان میں ہم جزوِ حزبِ اختلاف
ملک کی خدمت سے تب بھی نہ کریں گے انحراف
ہر شکل تعمیر اپنی حزب کا دستور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

اب علاقائی سطح تک ہوگی طاقت منتقل
اختیارات اپنے سارے، لوگوں کو جائیں گے مِل
فیصلے جو خود کرے، خوددار وہ جمہور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

ہوگی اصلاحِ اراضی ملک میں اب ہر جگہ
اب کسانوں کو ملے گا ان کی محنت کا صلہ
ہے ثمر اُس کا، مشقت سے جو تھک کر چوُر ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

اب نہ مہنگائی کا آئے گا کبھی طوفان ہی
اور نہ اشیائے ضرورت کا کبھی بحران ہی
نہ ہی دیکھو گے کہ یاں کوئی بشر مجبور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

تربیت اس قوم کی ہوگی جدید انداز سے
ہے اثاثہ ہر بشر، واقف ہیں ہم اس راز سے
وہ حکومت، جو نہ سمجھے وصف کو، معذور ہے
یہ ہی میری سوچ ہے اور یہ مرا منشور ہے

اربابِ اختیار

سرکار ہو، یا عدلیہ، یا افسرِ سرکار ہو
کیا ضروری ہے کہ باہم برسرِ پیکار ہو!

ساری طاقت رکھ کے بھی کر نہ سکو گر فیصلے
کارفرما ہوکے بھی سمجھو کہ تم بیکار ہو

ہیں وہ خوش قسمت جہاں میں پاتے ہیں جو اختیار
جب خدا نے دی ہے عزت، شک سے کیوں دوچار ہو!

بے عمل ایسا ہی ہے جیسے ہو کوئی بدعمل
ہے برا انجام بد کا، کتنا ہی ہشیار ہو

حرصِ مال و زر نہ ہو، طاقت کی لالچ بھی نہ ہو
وہ مجاہد چاہیے جو صاحبِ کردار ہو

دل میں گھر کرنا حقیقی راز ہے تسخیر کا
یہ ضروری تو نہیں کہ ہاتھ میں تلوار ہو

ہو سہی گر سمت، نیت صاف، اور دل میں خلوص
کون سا پھر کام رہ جاتا ہے جو دشوار ہو

کچھ تو ان معصوم لوگوں کا بھی کرلو تم خیال
جن کے ایماں کی بدولت آج منصب دار ہو

تم ڈرو اُس وقت سے جب حد سے گزرے ان کے صبر
کیا رہے گا تم میں ملت تم سے گر بیزار ہو

ریاست

ہو قوم سے جدا تو سیاست ہی نہیں ہے
تاخیرِ عدل ہو تو عدالت ہی نہیں ہے

ہیں حاکم و محکوم بندھے ڈورِ قلب سے
دل پر نہ راج ہو تو حکومت ہی نہیں ہے

مخلوق کی خدمت کے طریقے ہیں بے شمار
لے دے کے صدارت یا وزارت ہی نہیں ہے

کیا پائے گا تکمیل سے ایسی بہشت کی!
جس میں تجھے دخول کی مہلت ہی نہیں ہے

وہ فکر کہ حیواں بھی نہ تڑپے لبِ فرات
یہ بے حسی کہ بشر کی حرمت ہی نہیں ہے

اک وہ کہ قصص جن کے کریں روح کو زندہ
اک یہ کہ جن کی کوئی حکایت ہی نہیں ہے

زندہ نہ ہو ضمیر تو کیا حلف سے حاصل
قولِ دلِ بے حق میں صداقت ہی نہیں ہے

شدّاد ہو یا سامری، قارون یا فرعون
لیتا کسی انجام سے عبرت ہی نہیں ہے

کر معجزے ایسے کہ ترا نام لیا جائے
آیت بِنا، نادان! تلاوت ہی نہیں ہے

فاسد کو بنا دے جو اپنی راہ کا قائد
افسوس کہ اُس قوم میں غیرت ہی نہیں ہے

اربابِ اقتدار کے عیال مہر وماہ
اور طفلِ غریباں کی کفالت ہی نہیں ہے

جن کی عنایتوں سے ہوئے صاحبِ مسند
اُن محسنوں پہ کوئی عنایت ہی نہیں ہے

نیچا نہ دِکھا دیں اِنہیں اونچی اُڑان سے
تربیتِ پرواز کی رغبت ہے نہیں ہے

کچھ کام نہیں کرتے ہیں تشہیر کے بغیر
نیکی وہ کیا جس سے کوئی شہرت ہی نہیں ہے!

کیوں تُو غریب تر ہوا اور وہ امیر تر؟
کیا تجھ میں سمجھنے کی فراست ہی نہیں ہے!

حاکم رہیں حاکم، رکھیں محکوم کو محکوم
سو قوم کی تعلیم و تربیت ہی نہیں ہے

جذباتیت سے رہنما کو منتخب کرے
اِس سے بڑی تو کوئی حماقت ہی نہیں ہے

منزل نہیں، رستہ ہے جو ہے چشم کو عیاں
ہادی نہیں کہ جس میں بصیرت ہی نہیں ہے

دامن دراز، آہ و فغاں، چاک گریباں
غربت سے بڑھ کے کوئی مصیبت ہی نہیں ہے

نہ اپنا حق طلب کریں، الجھا دو بھوک میں
کیا غدر ہو جب جسم میں طاقت ہی نہیں ہے

اِتنے وبال ہیں کہ ہے مصروف زندگی
شکووں کی، شکایات کی فرصت ہی نہیں ہے

کرتے ہیں بپا حشر رعیت پہ بے حساب
فرہنگِ حاکمیں میں 'قیامت' ہی نہیں ہے

کیوں صحت و تعلیم کو ترجیح دیں بھلا!
اِس قوم کو جینے کی ضرورت ہی نہیں ہے

نہ دیں گے ترا حق تجھے یہ حاکمینِ وقت
یہ جانتے ہیں تجھ میں بغاوت ہی نہیں ہے

کل بت پرست تھے تو آج ہیں بشر پرست
ناداں ہے جو سمجھے مماثلت ہی نہیں ہے

آتا ہے کبھی ایسا بھی مقام کہ جہاں
وحشت سے بڑھ کے کوئی لیاقت ہی نہیں ہے

کیسے ملائے آنکھ وہ باطل کی آنکھ سے
جس کے نگاہ و دل میں طہارت ہی نہیں ہے

دامن ہے داغ دار اور نیتیں ناپاک
سو فیصلے کر سکنے کی ہمّت ہی نہیں ہے

کیسے بڑھائیں گے وہ اپنی قوم کا وقار
جن کی جہاں کے سامنے عزت ہی نہیں ہے

ہے قوم عمل کے لیے تیار ہر گھڑی
ہو ابتدا کہاں سے! امامت بھی نہیں ہے

جب تک براجمان ہیں خود غرض حکمران
ملّت کو دشمنوں کی ضرورت ہی نہیں ہے

کہتے ہیں عہد توڑ کے: 'آیت تو نہیں تھی!'
یعنی زبان کی کوئی حرمت ہی نہیں ہے

ہے پختگی کردار کی تابع ضمیر کے
بنیاد نہیں ہے تو عمارت بھی نہیں ہے

تا آ نہ جائے کوئی دعا کے لیے یہاں
کتبوں پہ ضمائر کے عبارت ہی نہیں ہے

یہ نورِ ماہ منحصرِ آفتاب ہے
اے چاند تجھ میں مہر سی ہیبت ہی نہیں ہے

حُسنِ سلوک عقل کا ہے درجۂ کمال
وحشی ہے جس میں فہم و فراست ہی نہیں ہے

جاں، مال، روزگار، ریاست کی ضمانت
محفوظ نہیں یہ، تو ریاست ہی نہیں ہے

قوم، عدلیہ، مقنّنہ، صدر، انتظامیہ
مقصد نہ رکھیں ایک تو وحدت ہی نہیں ہے

حکومت کا جواب

سوال: کِیا کیا آپ نے بتلایئے اِس ملک کی خاطر
جواب: صدر، جمہوریت، ترمیم، آئین، عدلیہ، آجر

سوال: کہیں کیا آپ کی ہے رائے ان حالاتِ حاضر پر
جواب: روایاتِ جمہوری، آئین اور ایوان بالاتر

سوال: ہے روٹی بہت مہنگی اور ہے ارزاں خونِ انسانی
جواب: یہ ہم ہیں جس نے اب تک دی ہے سب سے زیادہ قربانی

سوال: مگر اِس پانچ سالہ دور کی ہم کر رہے ہیں بات
جواب: بہت تھیں مشکلیں ہم پر، کی محنت ہم نے ہے دن رات

سوال: پر آخر کب تلک قربانیوں پر ووٹ مانگیں گے؟
جواب: ہمیں ڈر ہے کہ ایسا نہ کِیا تو لوگ جاگیں گے

سوال: توانائی کا یہ بحران کیوں نہ حل ہوا اب تک؟
جواب: جنگ، سابق حکومت، سازشیں! پر کوششیں انتھک

سوال: نہ صحت ہے، نہ ہے تعلیم، نہ پینے کا پانی ہے
جواب: مرے قائد کی عظمت کا نہیں کوئی بھی ثانی ہے

سوال: مسائل بڑھ رہے ہیں، آپ کے لب پر کہانی ہے
جواب: ہم اب سر جوڑ کر بیٹھیں گے، ہم نے اب یہ ٹھانی ہے

سوال: قوم بدحال ہے، پھر بھی حکومت سو رہی ہے کیوں؟
جواب: ہمارے عزم کی پرواز ہے اب جانبِ گردوں

سوال: رہیں حکّام محلوں میں، غریبوں کا نہیں ہے گھر
جواب: ہمارے دل پہ چلتے تیر ہیں یہ داستاں سن کر

سوال: رعایا مر رہی ہے، آپ رہتے ہیں حصاروں میں
جواب: ہمیں بھی ڈر ہے مرنے کا، ہیں ہم بھی غم کے ماروں میں

سوال: ہوئی محشر بپا، آیا مصیبت میں ہے اب ہر فرد
جواب: یہودی سازشیں، پچھلی حکومت اور دہشت گرد

سوال: ترقی رک گئی، اور ملک بھی ڈوبا ہے قرضوں میں
جواب: ہمارے صدر دورے کر رہے ہیں دوست ملکوں میں

سوال: معیشت ملک کی کر کے ہے رکھ دی آپ نے برباد
جواب: یہ دنیا کی معیشت ہے کہ جس سے ہم نہیں آزاد

سوال: مگر دنیا کے لوگوں کا نہیں ہے حال ہم جیسا
جواب: کئی افریقی ملکوں میں قحط بھی ہم نے ہے دیکھا

سوال: تو کیا یہ ملک اب افریقی ملکوں کے موازی ہے؟
جواب: نہیں تو کیا یہ امریکہ و یورپ کے مساوی ہے!

سوال: مگر ہم سے بھی چھوٹے ملک ہیں جو ہم سے اچھے ہیں
جواب: یہ مضموں ہے بہت پیچیدہ، چھوڑیں آپ بچّے ہیں

سوال: الیکشن سر پہ ہوں تب ہی کیوں سارے کام ہوتے ہیں؟
جواب: بھلائی کر کے بھی ہم تو یہاں بدنام ہوتے ہیں

سوال: مراعات آپ کی کیا اہم ہیں زیادہ، غریبوں سے؟
جواب: ہمارے جیسے لیڈر ملتے ہیں آخر نصیبوں سے

سوال: اضافہ جو لیا اُس سے تو کچھ سکول بن جاتے
جواب: ہمیں مِل جائے کچھ تو آپ ہیں پیچھے ہی پڑ جاتے

سوال: کیا فوجی افسروں کو آپ لائیں گے کٹہرے میں؟
جواب: ہے اب ملکی بقا خطرے میں، اور ہے ملک پہرے میں

سوال: تباہی ہر طرف چھائی ہے نومیدی ہے لوگوں میں
جواب: ہمیں مل کے ہی کچھ کرنا ہے، سب ہے اپنی نظروں میں

سوال: عوام الناس محصولات دیں اور آپ لوٹیں زر!
جواب: صنعت کار، عدلیہ، افسر سے بھی پوچھے کوئی جا کر

سوال: ہوئے ہیں ریلوے، پی آئی اے، سٹیل مِل مسمار
جواب: ہمارا طرز جمہوری، ہمارے لوگ باکردار

سوال: بگاڑی ملک کی صورت، خزانہ آج خالی ہے
جواب: یہ ہے جمہوریت کا حُسن، اور کچھ خشک سالی ہے

سوال: بنائی فوجِ کابینہ اگرچہ ملک ہے مفلس
جواب: ہمارا ہر وزیر اس ملک کے لوگوں سے ہے مخلص

سوال: وطن خوشحال تھا جب آپ ایوانوں سے تھے باہر
جواب: کرم ہو آمرانہ تو جمہوری ظلم ہے بہتر

سوال: اداروں میں ہیں بدعنوانیاں اتنی کہ حد کردی
جواب: کم از کم ہم نے لوگوں کو تمیزِ خیر و بد کردی

سوال: دیا کچھ بھی نہ لوگوں کو مگر ہیں ووٹ کے طالب
جواب: ہماری قوم کے دل پہ ہماری چاہ ہے غالب

سوال: تو کیا یہ کہہ رہے ہیں آپ کہ سب لوگ جاہل ہیں؟
جواب: نہیں! یہ سب غیور و باشعور و عقلِ کامل ہیں

سوال: کیا اب بھی سامنا ووٹر کا کرنے کی جسارت ہے؟
جواب: ہے جب تک بے خبر ووٹر تو ہم میں بھی یہ ہمت ہے

سوال: ہیں مخلص قوم سے تو اُس کو حق دیں جو اہل بھی ہو
جواب: یہ تب ہو جب کہ سلبِ اقتدار ہم کو سہل بھی ہو

سوال: جماعت کی سَری کیا خاندانوں کی وراثت ہے؟
جواب: اجارہ داری کو للکارنے کی کس میں ہمت ہے!

سوال: تو کیا کوئی جماعت میں نہیں ہے اہلِ سرداری؟
جواب: بھلا پُتلی تماشے میں کبھی پُتلی ہوئی بھاری!

سوال: وطن کو نوچ ڈالا، آپ کو اب بھی نہیں غیرت؟
جواب: کریں گے حکمرانی ہم، ہے جب تک جذبہءِ خدمت

سوال: ہے اتنا خوں خرابہ، ظلم و بربریت کے دل روئے
جواب: یہ آمر تھے جنہوں نے نفرتوں کے بیج تھے بوئے

سوال: کیسے بھرتی نکمّے لوگ سرکاری اداروں میں
جواب: تبھی عزت ملی ہے دوستوں میں، رشتہ داروں میں

سوال: مگر کیا اہلیت کا خوں سدا کرتے رہیں گے آپ؟
جواب: ہمارا آئینی حق ہے، نہیں یہ کوئی ایسا پاپ

سوال: مراعات آپ کی ہیں سب غریبوں کی کمائی سے
جواب: بڑھی ہے ملک کی عزت ہماری خود نمائی سے

سوال: کیا عہدیداروں کو قانون شکنی کی اجازت ہے؟
جواب: ہو استحقاق استعمال، یہ تو اک روایت ہے

سوال: کیا پامال قدروں کو امورِ انتظامی میں
جواب: ثبوت اس کا ہے تو لائے کوئی علمِ عوامی میں

سوال: اداروں کے جواب حالات ہیں وہ خود شہادت ہیں
جواب: یہ سب حالات تو اک دورِ آمر کی عنایت ہیں

سوال: مگر اُس دور میں تو ملک کے حالات بہتر تھے!
جواب: یہ تھی امدادِ بیرونی، وگرنہ اس سے ابتر تھے

سوال: مگر امداد اوروں سے ملی ہے آپ کو کیا کم؟
جواب: اگر ہوں منتخب اک بار پھر، تب کچھ کریں گے ہم

سوال: تو یعنی پانچ سالوں میں ہوا کچھ بھی نہیں ہے کام؟
جواب: نہیں ایسا نہیں، ہم مشورے کرتے تھے صبح و شام

سوال: کوئی منصوبہ ہی دے جاتے آپ ان پانچ سالوں میں!
جواب: ہمیں الجھائے رکھا عدلیہ نے گہری چالوں میں

سوال: تو کیا ہر اک وزارت جنگِ قانونی میں تھی مصروف؟
جواب: اگر قائد پریشاں ہو تو ہر اقدام ہے موقوف

سوال: ہوئے ہیں ہر طرف چرچے حکومت کی کرپشن کے
جواب: عناصر سازشی کہتے ہیں ایسا، پارسا بن کے

سوال: گلہ ہر شخص کو ہے آپ کی بیدادِ پیہم سے
جواب: عدالت میں چلے جائیں شکایت ہے جنہیں ہم سے

سوال: کسی کی جان جانے پہ ہی کیوں امداد دیتے ہیں؟
جواب: ہم ایسا کرتے ہیں تو لوگ ہم کو داد دیتے ہیں

سوال: لگے جو وقت جوڑ اور توڑ میں وہ قوم کو دیتے
جواب: ہمارے اتحادی پھر مخالف دھڑکے ہو لیتے

سوال: رکھا ذاتی مفاد اپنا مفادِ ملک سے اوپر
جواب: ہیں شہری ہم بھی تو اِس ملک کے، رکھتے ہیں حق اِس پر

سوال: کیا یہ سچ ہے نہیں کہ کھیل یہ سارا ہے طاقت کا؟
جواب: یہ طاقت کا نہیں ہے شوق، جذبہ ہے یہ خدمت کا

سوال: مگر خدمت حکومت سے الگ رہ کر بھی ہوتی ہے
جواب: وہ خدمت ہم جو کرتے ہیں، حکومت سے ہی ہوتی ہے

سوال: اجی چھوڑیں یہ ساری جنگ تو ہے بس برائے تخت
جواب: حکومت ہم کریں تو قوم یہ کہلائے گی خوش بخت

سوال: یہ طاقت آپ کو کیا اپنی عزت سے بھی پیاری ہے؟
جواب: یہ طاقت کا نشہ نہ چھوٹنے والی بیماری ہے

سوال: اگر ہے درد لوگوں کا، انہیں اپنا یہ دھن دے دیں
جواب: سوال ایسے کریں کہ جو ہماری جان نہ لے لیں

سوال: ختم ہو تفرقے، امن آئے، ایسا کچھ تو کر جائیں
جواب: کریں گے، پہلے کچھ بیرونی دورے ہیں، وہ کر آئیں

سوال: ترقی ہے اگر کچھ، تو ہے فعلِ مجرمانہ کی
جواب: مذمت سخت کرتے ہیں ہر عملِ بزدلانہ کی

سوال: جرائم روکنے میں آپ ہیں ناکام کیوں اتنے؟
جواب: کریں گے دور میں اپنے ہی ہم کیوں پیدا یہ فتنے!

سوال: ''مِرا قائد'' کی تسبیحات کب ''میرا وطن'' ہوں گی؟
جواب: مِرے قائد بھی کہتے ہیں وطن کی باتیں اب ہوں گی

سوال: ہے خطرہ آپ کو اُس سے، نئی جو اک جماعت ہے؟
جواب: یہ سب جمہوریت دشمن عناصر کی شرارت ہے

سوال: غریبوں کو بھی ایوانوں میں لا کر اب کریں خوشنود
جواب: نہیں ایسا کوئی بھی آرٹِکل آئین میں موجود

سوال: تو کیا آئین یہ انساں کی حرمت سے بھی زیادہ ہے؟
جواب: کریں گے آئیں کی ہم پاسداری، سب سے وعدہ ہے

سوال: اسی آئیں میں جان و مال کا بھی ذکر آیا ہے
جواب: وکیلوں نے ہمارے ہم کو اتنا ہی سکھایا ہے

سوال: نظریہ چھوڑ کر اپنائی کیوں شخصی سیاست ہے؟
جواب: نظریۂ ضرورت بھی نظریۂ ریاست ہے

سوال: مخالف کہتے ہیں دارالمصیبت اس حکومت کو
جواب: پر اٹھارہ کروڑ افراد نے ہے حق دیا ہم کو

سوال: نہیں کر پا رہے ہیں گر حکومت، چھوڑ دیں کرسی
جواب: کریں گے کچھ، ذرا کم ہو ہماری یہ کسمپرسی

سوال: کِیا ہے مالِ غربا خرچ اپنے اشتہاروں پر
جواب: ہمارے کارنامے، کم ہے، گر لکھ دیں ستاروں پر

سوال: تمنا آپ کے جانے کی جا پہنچی ہے ہر من تک
جواب: حکومت گر بدلنی ہے، رکیں اگلے الیکشن تک

سوال: مگر اُس وقت تک تو جانے کتنے لوگ مر جائیں
جواب: ہم اس جمہوریت کے ہیں محافظ، ہم کیوں گھر جائیں!

سوال: تو کیا جمہوریت بس آپ کے مقدور کا ہے نام؟
جواب: مصیبت میں یہ قوم آ جائے گی گر ہم ہوئے ناکام

سوال: کِیا کچھ بھی نہ بہتر آپ نے، سب کو یہی غم ہے
جواب: کی مدت اس حکومت نے ہے پوری، کیا یہ کچھ کم ہے!

سوال: کیا مدت پوری کرنا منتخب ہونے کا مقصد تھا؟
جواب: تو کیا کرتے کہ جب ذہنی دباؤ ہم پے بے حد تھا!

سوال: مگر اک دن بھی خدمت کا ہے بہتر پانچ سالوں سے
جواب: کریں خدمت یا نمٹیں پہلے اپنے ان وبالوں سے!

سوال: کِیے تھے کیوں پھر ایسے کام کہ مشکل میں پھنس جائیں؟
جواب: کرپشن ہر جگہ ہے، ہم دیانت میں کیوں دھنس جائیں!

سوال: ہو غفلت میں مخالف، تو مواقع ایسے ملتے ہیں
جواب: مِرے قائد ہیں کہ جو سب کو لے کر ساتھ چلتے ہیں

سوال: کیا یہ بہتر نہ ہوتا ساتھ لے کر چلتے ملت کو؟
جواب: بہت مصروف رہتے ہیں، ترستے ہیں وہ فرصت کو

سوال: نہیں کرتی کیوں حزبِ اختلاف اپنا کلیدی کام؟
جواب: اُنہیں پوچھے گا کوئی کیوں اگر ہم نہ ہوئے ناکام!

سوال: کیوں بہہ جاتا ہے مفلس کا مکاں سیلاب میں اب بھی؟
جواب: ہمارا نام ہوتا ہے کریں دورہ وہاں جب بھی

سوال: نہیں کمرے مدرسوں میں، کہ بچے بیٹھے ہیں باہر
جواب: تو کیا غم ہے، ہمارے بچّے بھی تو پڑھتے ہیں باہر

سوال: کچھ ایسا حل بتائیں مسئلے حل ہوں ہمارے سب
جواب: کریں مل کر دعا کہ سب کو حاصل ہو رضائے رب

سوال: کیوں دہشت گردی کا قانون گم ہے طاقِ نسیاں میں؟
جواب: نہیں ہیں متفق اس پر حریفین اب بھی ایواں میں

سوال: مگر یہ آپ کا کہنا ہے کہ مینڈیٹ رکھتے ہیں!
جواب: امر پیچیدہ ہو تو دیر تک ہم غور کرتے ہیں

سوال: مگر ترمیم اپنی مرضی کی تو جھٹ سے ہوتی ہے!
جواب: اگر اِتنا بھی نہ کر پائیں تو پھر قوم روتی ہے

سوال: کیا دہشت گردی کی عفریت کو نابود کر دیں گے؟
جواب: یہ ہے بیرونی سازش، آہنی ہاتھوں سے نمٹیں گے

سوال: اگر اِتنے ہی بے بس ہیں تو جلسوں میں تھے دعوے کیوں؟
جواب: تھیں قرآں کی نہیں آیات جو تبدیل ہی نہ ہوں

سوال: کوئی پیغام دینا چاہیں گے لوگوں کو آخر میں؟
جواب: ہمیں ہی ووٹ دینا چاہیے کچھ ہو دورِ حاضر میں

حزبِ اختلاف

ساری بُرائیوں میں حکومت کا نام ہے
پر حزبِ اختلاف کا بھی کچھ تو کام ہے!

ایواں میں تماشائی بن کے بیٹھنے سے کام
کیوں ووٹ لیے تھے اگر کرنا ہی تھا آرام!

باہر گئے ایواں سے کبھی، اور کبھی چلاّئے
کتنی دفعہ کوئی قرارداد لے کے آئے؟

کرنی ہی تھیں فقط بیان بازیاں اگر
کیا فرق تھا رہتے جو پارلمان سے باہر!

اک صوبے میں ہی کام جو اب تک نہ ہو سکے
وہ کام پورے ملک میں ہو پائیں گے کیسے!

پڑتی ہے جگانے کے لیے جس کی ضرورت
وہ انتخاب ہے یا نئی ایک جماعت

مضبوط اگر حزبِ اختلاف کہیں ہے
نااہل حکومت وہاں ممکن ہی نہیں ہے

’جو بھی ہو، نہ کریں گے حکومت پہ کوئی وار
ناکام یہ ہوں گے تو ہم آئیں گے اگلی بار‘

عصیان حکومت کے تو ہوں گے نہیں معاف
پر کم نہیں رہے گناہِ حزبِ اختلاف

منصف

سب کہتے ہیں منصف مجھے، انصاف مرا کام
ایسا نہ کروں گا کہ مِرا پیشہ ہو بدنام

کیا چیز ہے پیسہ مرے انصاف کے آگے!
ایسا نہیں کوئی جو لگا پائے مِرا دام

ہر خوف سے بالا ہے مرا عزمِ عدل و حق
برداشت نہیں، مجھ پہ بزدلی کا ہو الزام

انصاف ملے گا جہاں میں ہوں براجمان
مظلوم ہو مایوس تو پھر میں ہوا ناکام

ابلاغِ عامہ

جب قوم کا ضمیر جگانا ہے مِرا کام
تو کیوں نہ ہو کردار مِرا عاری از الزام

کچھ علم، کچھ شعور دلادوں میں قوم کو
ہوتا ہوں تو ہوجاؤں میں جُہّال میں بدنام

تفریح، تماشہ تو مِرا کام نہیں ہے!
کیوں میں کماؤں شہرتِ ارزاں سے اپنا نام!

بتلاؤں کھُل کے ظلمِ خواص اِس عوام پر
بڑھ کر مٹادوں ملک سے تفریقِ خاص و عام

ہے فرض مِرا جوڑنا آپس میں دلوں کو
کیوں جا مِلوں اُن سے، ہے جن سے اتحاد خام

جرأت و صداقت ہیں رواں میری رگوں میں
لیکن خیال ہے کوئی ناحق نہ ہو بدنام

سچائی بتانا مِری ہستی کا ہے مقصد
پر ذمہ داری سے نہ بتاؤں، تو ہوں ناکام

اُن کی حقیقتوں کو میں کردوں گا بے نقاب
جن کو خدا بناتی ہے لاعلمیِ عوام

کوئی بھی مصلحت نہ مجھے روک سکے گی
نربل ہے فرض کے لیے مفاہمت کا دام

کرپائے چکاچوند نہ آنکھوں کو مال و زر
نہ دل سے گیا حقّ و صداقت کا احترام

اتنا نہیں کم ظرف کہ بِک جاؤں میں اے دوست!
پھرتے ہیں چاروں اور خریدار صبح و شام

✡✡✡

حکمران

ایسا ہے کیوں کہ میں ہوں ابھی تک وہیں کھڑا
اور ان کے اَمارت کی نہیں کوئی انتہا

آتے ہیں مرے کاندھوں پہ چڑھ کر سرِ ایوان
ڈالیں انہی کندھوں پہ نیا روز امتحان

کرتے ہیں میرے مال سے یہ شام وسحر عیش
اس بے حسی پہ آج کیوں نہ آئے مجھ کو طیش

خدمت کا وعدہ ان کا ہوا ہے بس اک سراب
دعوے ہیں ان کے ایسے کہ ہو جیسے اک حباب

مزدور کی اُجرت بڑھے گی اگلی مرتبہ
اور اِن کی مراعات بڑھیں گی اِسی دفعہ

ان کے بھی بھاگ سوئیں گے گر قوم سوئی ہے
حرمت انہوں نے اپنی اپنے ہاتھ کھوئی ہے

✡✡✡

تحفہ

بھوکا رہے مفلس تو کیا، جمہوریت تو ہے
معصوم یاں مرے تو کیا، جمہوریت تو ہے

بنتے ہیں حکمرانوں کے محلات جا بجا
ڈوبیں ہزاروں گھر تو کیا، جمہوریت تو ہے

ہیں عیش میں کچھ لوگ یاں دن رات صبح و شام
دکھ میں کروڑوں ہیں تو کیا، جمہوریت تو ہے

کچھ کاروبار چل رہے ہیں خوب نفع میں
ہیں بند صنعتیں تو کیا، جمہوریت تو ہے

پیسہ بہت ہے ملک سے باہر پڑا ہُوا
کنگال ملک ہے تو کیا، جمہوریت تو ہے

یہ ملک بن چکا ہے ایک ایٹمی طاقت
بجلی نہیں اِس میں تو کیا، جمہوریت تو ہے

باہر کے اداروں میں پڑھ رہے ہیں کچھ عیال
تعلیم یاں نہیں تو کیا، جمہوریت تو ہے

روٹی چُرانے والا ہے اندر، پہ ہیں باہر
اربوں کے لٹیرے تو کیا، جمہوریت تو ہے

چلتے ہیں مقدمے یہاں نسلوں کے ساتھ ساتھ
بِکتا ہے عدل بھی تو کیا، جمہوریت تو ہے

باہر کے ہسپتال بہت ہیں، اگر یہاں
کم ہسپتال ہیں تو کیا، جمہوریت تو ہے

مہنگائی سے عوام ہیں تباہ، اور امیر
خود ٹیکس ہی نہ دیں تو کیا، جمہوریت تو ہے

ملتی نہیں ہے نوکری ڈگری سے اور کہیں
جعلی ہیں ڈگریاں تو کیا، جمہوریت تو ہے

منشور میں کچھ اور ہے، اور عمل ہے کچھ اور
نعرے ہیں کھوکھلے تو کیا، جمہوریت تو ہے

خود اپنی جماعت میں ہے جمہوریت نہیں
بس نام کی ہی ہے تو کیا، جمہوریت تو ہے

نوکرشاہی

جس عمارت کے ستوں سارے نہ مستحکم رہیں
کیوں مکیں اُس کے سکونِ قلب سے محرم رہیں!

گو کہ لگتی ہیں سیاست داں پہ ساری تہمتیں
ہیں پسِ پردہ عناصر کی بھی مہلک حرکتیں

روکنا ہر کام کو اِن کا کلیدی کام ہے
اِن کی نااہلی ہے جو یہ مملکت ناکام ہے

پلتے ہیں جس قوم کے پیسوں پہ یہ بیدادگر
لوُٹتے ہیں مال و زر اُس قوم کا دل کھول کر

ہیں یہ نوکر قوم کے، بنتے ہیں اُس کے حکمراں
حرص،غفلت، بےحسی، اِن کی روِش میں ہے عیاں

قوم ہو یا رہنما، سب کو ہی بہکاتے ہیں یہ
کام جو دو دن کا ہو، دو سال لٹکاتے ہیں یہ

کر دیے سارے ادارے اِن کی غفلت نے تباہ
شرم سے پھر بھی نہیں جھکتی کبھی اِن کی نگاہ

اِن کی جیبیں بھر گئیں، اور ملک یہ کنگال ہے
اِن کی بدعنوانیوں سے قوم کا یہ حال ہے

بغاوت

کرلیں بہت، اب کوئی حماقت نہ کریں گے
اب نا خداؤں کی ہم عبادت کریں گے

ہو جس کے لیے خدمتِ انساں بھی ایک بوجھ
ایسے کسی سلطاں کی اطاعت نہ کریں گے

لائیں گے ہم ایواں میں اب کردار کے غازی
غارت گر اب ہماری اِمامت نہ کریں گے

نا سمجھی میں دے دی بہت عزت دروغ کو
اب سوچ لیا، خونِ صداقت نہ کریں گے

جو عہد قوم سے کیے، کی اُن سے بغاوت
اور ہم سے آس ہے کہ بغاوت نہ کریں گے!

بیداری

اُٹھ کہ بیداری میں ہے تیرے مصائب کی فنا
چھوڑ انساں کی پرستش، جانِ فانی کی ثنا

یوں ہی گر سوتا رہا، ایسے ہی دھوکے کھائے گا
تیرا، تیری نسلوں کا، نام و نشاں مٹ جائے گا

قدر و قیمت جب تلک اپنی نہیں منوائے گا
تب تلک تو مثلِ حیواں یوں ہی دھکے کھائے گا

تیری محنت کا ثمر کھاتے رہے لیڈر سدا
قسموں وعدوں کے علاوہ، اور تجھ کو کیا ملا!

ملک کو جاگیر سمجھا اپنے پیاروں کے لیے
قومیاتے ہیں اداروں کو جیالوں کے لیے

اپنے مقصد کے لیے کرتے ہیں تجھ کو استعمال
گھیرتے ہیں دل کو تیرے، ڈال کر باتوں کا جال

بھاگتے تیری طرف ہیں، جب پڑے ان پر وبال
آج تک کتنے مصائب میں کِیا تیرا خیال!

کیسے ہوسکتے ہیں تیرے، تجھ سے جو غافل رہیں!
تو رہے افتاد میں، یہ عیش پر مائل رہیں

کیوں ترے بچے مسرت کو ترستے ہی رہیں!
اور میسر ان کے بچوں کو رہیں سب نعمتیں

تیری دولت تجھ پہ کردیں خرچ تو احساں جتائیں
ہو عمل کی جب ضرورت، بیٹھ کر باتیں بنائیں

ان کی نااہلی پہ جب بڑھ جائیں تیری تلخیاں
بنتے ہیں مظلوم تا پائیں تری ہمدردیاں

رہتے ہیں محلوں میں یہ، اور پاس تیرے گھر نہیں
قوم سے جو دور ہوں وہ قوم کے رہبر نہیں

انتظامِ خاص ہے ان کی حفاظت کے لیے
پر نہیں کوئی تری جاں کی ضمانت کے لیے

ہے میسر صحت و تعلیم ان کو بہترین
اور تیرے واسطے فردوس سے وعدے حسین

ووٹ لینے کو چلے آتے ہیں تیرے پاس یہ
پھر نظر آئیں کبھی، رہ جاتی ہے اک آس یہ

سہہ رہا ہے درد کے تُو دن کئی، راتیں کئی
اور بہلاتے ہیں تجھ کو کرکے یہ باتیں کئی

یوں ہی بہتا جائے گا سیلاب سے تیرا مکاں
تا تیری امداد کرکے سرخرو ہوں حکمراں

چیخیں اور چلائیں یہ، اور تو بجائے تالیاں
ہر مداری کا تماشا خوب چلتا ہے یہاں

ہر الیکشن سے قبل وعدے ہیں کرتے بے شمار
بیٹھ کر ایواں میں کہتے ہیں کہ ہیں بے اختیار

کہتے تھے کہ دیں گے تجھ کو روٹی، کپڑا اور مکان
اب یہ کہتے ہیں دیا آئین پر ہم نے دھیان

آستیں میں دشنہ پنہاں، گُل جھڑے ہیں بات سے
کھیلتے ہیں خوب بازیگر ترے جذبات سے

جان لے اس سے کہ ان کی نیتیں ہیں کتنی صاف
قرضے لیں پیسوں سے تیرے، اور کروائیں معاف

ان کی سب آسائشوں کا بوجھ سہتی ہے عوام
لینے والے شاہ ہیں، اور دینے والے ہیں غلام

فاصلے اتنے اگر ہوں حاکم و محکوم میں
ایک دن تو جوش آئے گا رگِ مظلوم میں

ہو اگر تیری بھلائی کا ذرا ان کو خیال
چھوڑ دیں یہ عیش وعشرت، بانٹ دیں غربا میں مال

ہوں کہیں فاقے، کہیں عشرت ریاست میں اگر
ہیں وہاں بے حس عوام، اور حکمراں بیدادگر

تو نہ بدلا تو تری تقدیر کیوں بدلے بھلا!
تیری بیماری کی ہے تیرے ہی ہاتھوں میں دوا

جو بھی لیڈر ہے وہ تیری ہی طرح انسان ہے
اور کچھ سمجھے اسے تو تُو بڑا نادان ہے

شخصیت کے سحر سے اب خود کو تُو آزاد کر
دل میں اب انساں نہیں، انسانیت آباد کر

جو گئے دنیا سے اُن کی مغفرت کی کر دُعا
پر جو زندہ ہیں اُنہیں تُو دیکھ کر رائے بنا

ہے نئی دنیا بلاتی، سمت اپنی اب بدل
توڑ دے طوقِ غلامی، خوف سے آگے نکل

جو ہیں تجھ سے کھیلتے ان کو تو اب پہچان لے
دوست کے بہروپ میں دشمن چھپا ہے جان لے

منتخب پھر بھی اگر تو اِن لٹیروں کو کرے
زیب پھر دیتا نہیں کہ تُو کوئی شکوہ کرے

عقل سے اب چُن کہ تجھ کو رہبرِ کامل ملے
کیوں نہ روشن تیری نسلوں کو بھی مستقبل ملے!

ہوشمندی سے کرے تو فیصلہ یہ فرض ہے
آنے والی نسل کا تجھ پر یہ بھاری قرض ہے

ہے بشر آزاد وہ، جس کا ذہن بیدار ہے
بے عقل تقلید کو حیواں یہاں بسیار ہے

منافقت

جو مِلا ہم کو یہاں، ہم اُس کے ذمّہ دار ہیں
ملک کے اِس حال میں ہم سب ہی حصّہ دار ہیں

ہم کو لیڈر نے سکھایا، ہم نے سکھلایا اُسے
اِس نے اُس کو، تو نے مجھ کو، میں نے لوُٹا ہے تجھے

رہزنی میں ہر کوئی اک دوسرے کے ساتھ ہے
جس کو بھی موقع ملا، اُس نے دِکھایا ہاتھ ہے

قوم کے کردار کی پستی پہ ہے برہم بہت
جانتا ہے جو دغا بازی کے پیچ و خم بہت

ملک کی بدحالی پہ ہوتا بہت رنجور ہے
ہر وہ تاجر جو ملاوٹ کے لیے مشہور ہے

'شرم سے ڈوبو کہ در در پھرتے ہو بن کر فقیر'
کہہ رہا تھا اک گداگر سے خزانے کا وزیر

کھا کے آمیزش بھرا کھانا پڑے بیمار ہیں
جعلی نوٹوں کی مشینیں اُن کی اب بیکار ہیں

بولتے ہیں وہ: 'ہمیں اِس ملک نے ہے کیا دیا!'
جن کے کارخانے میں بنتی ہیں جعلی ادوِیا

'چوروں کے ہاتھوں میں آ پہنچا ریاست کا نظام'
دل میں سوچا، پھر کِیا جھک کر وزیروں کو سلام

کہتا ہے 'کیا حکمرانوں نے کِیا کشوَر کا حال!'
دگنی تگنی قیمتوں پر بیچ دیتا ہے جو مال

چشم ہے پُرنم، رحم کی مانگتے ہیں وہ دعا
خوف جن کے طیش کا ہر شخص پر طاری ہُوا

وہ کہیں بیگم سے: 'رکھتیں تم نہیں میرا خیال'
جن کی نظریں ڈھونڈتی ہیں ہر طرف حُسن و جمال

کیوں رُکے کوئی اشارے پر کہ سب جلدی میں ہیں
کچھ تو ہیں مسجد کو جاتے اور کچھ وردی میں ہیں

بجلی کے بحران پر غصّہ تھا اُن کا دیدنی
جن کی جلسہ گاہ میں کُنڈے سے آئی روشنی

وہ کہے: ’اِس نسلِ نو سے کیا امیدِ عافیت!‘
اپنے بچّوں کی نہیں کی جس نے کوئی تربیت

بولے ’اِس کی ہے سفارش‘ چھُٹ گیا اک کیچ جو
دفتری اوقات میں دیکھا کیے تھے میچ جو

چڑھ کے منبر پر کی زور وشور سے ہم نے دعا:
’اے خدا اُن کو سکوں دے، چاہتے ہیں جو شفا‘

وہ کہیں آئیں کے دشمن کو کریں گے نہ معاف
جو کریں آئین کی بنیاد سے ہی انحراف

بنتے ہیں جمہوریت کے جو ہمیشہ دعوے دار
کر سکے نچلی سطح تک منتقل نہ اختیار

کہتا ہے: ’پھرتے ہیں ڈاکو چور بن کے بادشاہ‘
ایک سرکاری ادارے کا جو خود ہے سربراہ

کہتے ہیں تعلیم ہے ترجیح اُن کی اوّلیں
جن کے بچّے پڑھ رہے ہیں ملک سے باہر کہیں

جن کی جدّ و جہد ہے جاگیرداروں کے خلاف
کرتے ہیں پُر کشتیءِ جاگیرداری کا شگاف

’کچھ بھی کر لو قوم اپنی یہ سُدھر سکتی نہیں‘
یہ وہ کہتے ہیں کہ جن کی کل کوئی سیدھی نہیں

قوم کی دولت لُٹی تو روئے وہ زار و قطار
لیتے ہیں سرکار سے جو بے تحاشا اشتہار

ملک کی خوشحالی کا منصوبہ زیرِ غور ہے
ٹیکس ہم خود نہ بھریں، یہ مسئلہ کچھ اور ہے

’کیسے مِلتا کچھ بھلا، سب کھا گئے یہ حکمران‘
یوں کِیا ڈاکو نے قصّہ اک ڈکیتی کا بیان

’ہم بھلا پیچھے رہیں کیوں جب بڑے ہی چور ہیں‘
سارے ادنیٰ افسر اب یہ ہی مچاتے شور ہیں

کوستا ہے سب کو پر خود شر سے بچتا ہی نہیں
کیا بچے جب کوئی شر کو شر سمجھتا ہی نہیں

امیر اور غریب

قصہ تری حیات کا کتنا عجیب ہے!
کہ ملک ہے امیر اور تو غریب ہے

اتنی ہے مالامال ترے دیس کی زمیں
تیرا نمائندہ یہاں تیرا رقیب ہے

کیسے بھلا بدلے گا ترا حال کہ جب تک
جو زخم لگائے وہی تیرا طبیب ہے

معصومیت نہیں ہے، یہ ہے تیری حماقت
رہزن کو کہہ رہا ہے کہ میرا حبیب ہے

اک اچھے راہبر سے تُو اب تک ہے بے خبر
تُو اُس کو جانتا ہے جو اچھا خطیب ہے

اب بھی کِیا چوروں پہ اگر تُو نے اعتبار
تو پھر نہ گلہ کرنا کہ تُو بدنصیب ہے

سیاست

کیا رکھیں امید ہم اُس کی سیاست سے!
جس نے پائی رہبری اپنی وراثت سے

بالادست آئین ہے، ایواں، یا عدلیہ؟
بالادستی چھین کیوں لی ہے ریاست سے!

دشمنی کیا خوب کرتے ہیں سیاست داں
گوکہ آتے ہیں حکومت میں رفاقت سے

کیا رکھا ہے فائدہ ایسی حکومت میں!
حق بھی گر لینا پڑے جاکر عدالت سے

ڈوب جانا قوم کا لازم ہے کہ جب یہ
رہنما لاتے بھنور تک ہیں امامت سے

لڑ رہے ہیں بالادستی کے لئے ہر روز
قوم اب بیزار ہے اِن کی عداوت سے

فیصلے آزاد کیوں کر پائیں یہ لیڈر!
لیتے ہیں احسان اوروں کی ریاست سے

کیا عجب جو ہر طرف ہو خوف کا عالم!
جب تعلق نہ ہو رہبر کا شجاعت سے

حرص جس کو ہو حکومت کی وہ کیا سمجھے!
دیتے ہیں تشبیہ خدمت کو عبادت سے

کیوں بھلا جمہوریت سے ہوں گے خوش جمہور!
ہو جُڑی جمہوریت جب آمریت سے

بھوک اِن کو کر نہ دے حکّام کا دشمن
پیٹ اِن کے بھر دیئے جائیں عداوت سے

کیسے سمجھے گی بھلا کیا سچ ہے کیا ہے جھوٹ!
قوم جب تک نہ نکل پائے جہالت سے

یہ نہ ہوکہ قوم کو جب حق نہ مل پائے
چھین کر لے لے وہ حق اپنا بغاوت سے

ستائش

کہیں معصوم روتے ہیں، کہیں بیٹھے ہیں سب شاطر
مگر اک حد سے آگے بڑھ نہیں سکتا کوئی جابر

دباؤ میڈیا کا، عدلیہ کا، یا الیکشن کا
وجہ جو بھی ہو، کچھ تو کام اچھّے بھی ہوئے آخر

وہاں جب نوجوانوں کو اُبھارا اک مخالف نے
جوانوں کی بھلائی کا یہاں جذبہ بھی جاگا پھر

کچھ اچھّے لوگ بھی موجود ہیں دشتِ سیاست میں
تبھی تو کام کچھ ہو جاتے ہیں اِس ملک کی خاطر

نہیں کچھ ہو سکا پھر بھی ہُوا اک فائدہ تو ہے
نقاب اٹھے ہیں چہروں سے، بنی ہے قوم یہ صابر

لڑے اک فارم سے لے کر، سبھی، نگراں حکومت تک
کاش سنجیدگی اِتنی دِکھاتے قوم کی خاطر

پولیس

یوں تو لگتی ہیں ہزاروں تہمتیں ہم پر سدا
پر ہماری مشکلیں کوئی نہیں ہے دیکھتا

ہاں عناصر ہم میں ایسے ہیں جو بدعنوان ہیں
پر کچھ ایسے بھی ہیں جو اس فرضیت کی شان ہیں

روز جاں ہوتی ہتھیلی پہ ہے پر ڈرتے نہیں
فرض میں ہم جان کی پرواہ بھی کرتے نہیں

لڑتے ہیں دن رات دہشت گردی کے طوفان سے
کتنے ہی جانباز تھے کہ جو گئے ہیں جان سے

ہیں ادارے میں سیاست کی دخل اندازیاں
کیسے روکیں پھر جرائم کی یہ کالی آندھیاں!

گر رکھا عاری سیاست سے ہمیں حکّام نے
مجرموں میں دم نہیں ٹھہریں ہمارے سامنے

اب نہیں ہم جھکنے والے، غور سے سُن لیں سبھی
فرض کے آگے کسی کی نہ سُنیں گے اب کبھی

قوم کے خادم ہیں اُس کا ہم کریں گے احترام
جُرم کی دنیا نہ پائے گی یہاں عُمرِ دوام

ہو وہ دولت مند یا ہو شخصیت وہ با اثر
ہو گا نہ قانون سے کوئی یہاں اب بالا تر

اب نہ خطرے میں پڑیں گے شہریوں کے جان و مال
قوم کے ہر فرد کو دیں گے تحفظ بے مثال

لوگوں کا بھی فرض ہے کہ وہ ہمارا ساتھ دیں
امن کی خاطر ہمارے ہاتھ میں وہ ہاتھ دیں

تبدیلی

سیکھا تھا جو سبق وہ آج کام آئے گا
یوں ٹھوکریں کھانے سے ہی شعور آئے گا

اب بہت ہو چکا ہے ضمیروں کا یاں سودا
اِس ملک میں اب ووٹ خریدا نہ جائے گا

ہر شخص اپنی روٹی خود کما کے کھائے گا
غربا کو مفت خور بنایا نہ جائے گا

اب لے لی ہے تقدیر ہم نے اپنے ہاتھ میں
اب ہم کو بے وقوف بنایا نہ جائے گا

ہر شے سے ہوگی بالا اب انسان کی حرمت
گھر گھر میں اب سے لاشا اٹھایا نہ جائے گا

پہچان چکے ہیں اب ہم ان رہنماؤں کو
وعدوں سے ان کے کوئی نہ اب دھوکے کھائے گا

وفاداری

ایسی وفا بندے کی خدا سے بھی نہ ہوگی
جیسی ہے جاں نثاروں کو سربراہان سے
لیڈر جو کردے بات غلط یا بُرا عمل
دفاع میں لگ جاتے ہیں سب دل و جان سے

سیاست دان

ہے مسیحائی وہ کیا جب درد کا درماں نہیں
جس کے دل میں درد نہ ہو، وہ کوئی انساں نہیں
چاہے جتنے سال تم کرلو حکومت رہبرو!
گر نہیں خوشحال خلقت، تم سیاست داں نہیں

جمہوریت

جمہوریت عوام کی محرومیت نہیں
جمہور کی طاقت ہے یہ، محکومیت نہیں
جمہوریت خوشحالی ہے جمہور کے لیے
حاکم کو دے جو منفعت، جمہوریت نہیں

دھمکی

کہتے ہیں: 'گر ہم نہیں تو ہے نہیں جمہوریت
ہم گئے تو آمریت ملک میں آجائے گی
کج روی، بدانتظامی، شر، کرپشن، لوٹ مار
نہ کیے برداشت گر تم نے، تو فوج آجائے گی'

سازش

جسے بھی دیکھئے سازش کی بات کرتا ہے
یہ کہہ کہ سازشیں موصوف خود ہی کرتا ہے
جو پوچھیں کون مرتکب ہوا ہے سازش کا
تو نام لینے سے وہ سازشی کا ڈرتا ہے

۞۞۞

آج

گزر گیا ہے جو پل وہ نہیں آنے والا
نہ ہی وہ آئے گا جو ہے ابھی آنے والا
جو آئے گا ہی نہیں اس پہ کیوں پریشاں ہے!
کر اس پہ غور، نہیں جو کبھی جانے والا

۞۞۞

عورت کا مقام

مِری عظمت کو تم جھٹلاؤ جتنا
خدا کی بات نہ جھٹلا سکو گے
عمر بھر نیکیاں کرکے بھی آخر
مِرے قدموں تلے ہی آسکو گے

۞۞۞

پیغام

اب پہنچے گا پیغامِ جنوں ہر شہر میں اور ہر گاؤں میں
زنجیر بنی زنجیرِ عدل، پیغام رساں کے پاؤں میں
یہ سردمہر اربابِ زر، جذبوں کی حرارت کیا جانیں
کہ گرم لہو ہو سکتا نہیں محلوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں

۞۞۞

حکمتِ عملی

ہو مرض جو بھی، علاج اُس کا ہمارے پاس ہے
مسئلہ جو بھی ہو، اُس کا حل بس اک اجلاس ہے
اِتنے کیوں اجلاس ہوتے ہیں ہمارے ملک میں!
اِس بحث پر کل بلایا ہم نے اک اجلاس ہے

مسیحا

ہو نیت صاف تو دنیا کے ہر پیشے میں عظمت ہے
مگر کچھ کام ایسے ہیں جنہیں کرنا عبادت ہے
مسیحا کیا کہ جو دل میں مسیحائی نہ رکھتا ہو
یہ پیشہ چھوڑ دے گر تیرے دل میں حرصِ دولت ہے

ماحول

ارادے قوّتِ نادیدہ کے مظنون ہوتے ہیں
کریں جو جرم وہ افراد نا معلوم ہوتے ہیں
فضا ہے اس قدر منفی کہ ’نا‘ کا راج ہے ہر جا
ہے نا خوش قوم اور حکّام نا معقول ہوتے ہیں

معلّم

جن ہاتھوں میں رکھی گئی ہے علم کی اکسیر
وہ ہاتھ بنا سکتے ہیں اک قوم کی تقدیر
تعلیم کا مقصد نہیں درسِ نصاب صِرف
اُستاد وہ ہے جو کرے کردار کی تعمیر

دوُسری دُنیا

ہیں کچھ ہی کام جو اچھے ہوئے ہیں
اُنہی کو یاد وہ رکھے ہوئے ہیں
یہاں جس دور کو روتی ہے جمہور
وہاں اُس دور کے چرچے ہوئے ہیں

ناسمجھی

نہیں سیکھا ہمارے رہبروں نے اور قوموں سے
کہ سینچا جائے گلشن کو تو بھر جاتا ہے پھولوں سے
نہیں رہتا کوئی بھی گل گلستاں میں خزاں کے بعد
کہ صحرا کی ہوا تابش اُڑا دیتی ہے محلوں سے

مراعات

کہتے ہیں فکر اُن کو غریبوں کی ہے دن رات
پر خود پہ ہی کرتے ہیں کرامات کی برسات
لوگوں کے مسائل تو رہے حل کے منتظر
اور خود اُنہوں نے لے لیں مراعات تا حیات

سلام

مدّت ہوئی پوری تو بہت خوش عوام ہیں
خوشیاں مگر یہ آنے والے کل کے نام ہیں
اپنوں کے ہاتھوں لٹ کے بھی امید نہ چھوڑی
اِس قوم کی ہمّت کو ہزاروں سلام ہیں

اصلیت

لڑے نگراں حکومت پہ، معیشت پہ بھی لڑ جاتے!
درد اِتنا رعایا کے مسائل پہ بھی دکھلاتے!
جو پیسے جھونک ڈالے اپنے اپنے اشتہاروں میں
وہ پیسے ہسپتالوں اور سکولوں پہ لگواتے!

احتساب

وہ پوچھتے ہیں: 'ہمارا ہی کیوں حساب ہوتا ہے؟
عدل وہاں ہے جہاں سب کا احتساب ہوتا ہے'
کہا: 'تم پوچھو اُن سے جن کی ہوتی ہے 'تقرّری'
تمھیں ہم پوچھیں گے، تمہارا 'انتخاب' ہوتا ہے'

حقیقت

سب سمجھتے ہیں کہ وہ زیرک سیاستدان ہے
جوڑ توڑ اور بھرم سے جس کی ہوئی پہچان ہے
جس کی دانش سے نہ پہنچے قوم کو کچھ فائدہ
در اصل زیرک نہیں، زیریں سیاستدان ہے

مقصد

سیاست تو ہے اک خدمت کا ذریعہ
یہ رستہ ہے، کوئی منزل نہیں ہے
سیاست کرتے ہیں مقصد سمجھ کر
تبھی مقصد اصل حاصل نہیں ہے

ظرف

ہر چیز کم ہے، ٹھہرے وہ کم ظرف بھی کافی
اتنا بھی نہیں ظرف کہ مانگیں وہ معافی
اپنے بُرے کرتوتوں کا احساس ہی کرتے
شاید کہ کچھ ہو جاتی گناہوں کی تلافی

۞۞۞

آمر

کون ہے ایسا جس کے پیچھے
اور کسی کا ہاتھ نہیں تھا!
ایسا سیاستداں تو بتاؤ
جو آمر کے ساتھ نہیں تھا

۞۞۞

لیڈر

الیکشن سے قبل کہتے ہیں سب تبدیل کر دیں گے
حکومت میں ہوں گر ناکام تو ماضی پہ دھر دیں گے
نظر جا سکتی ہو جن کی فقط اگلے الیکشن تک
وہ مستقبل ہمارے دیس کا تاریک کر دیں گے

۞۞۞

سورج

چڑھتے ہوئے سورج کی بھی کیا خوب ادا ہے
دھرتی کے نا خداؤں کا بن جاتا خدا ہے
آمر کا ساتھ دینے والے ہو گئے اچھے!
آمر جو تھا کہلایا، ابد تک وہ بُرا ہے

۞۞۞

دوست دشمن

دوست دل سے ہے تو پھر وہ قابلِ نفرت نہیں
دوستوں کے مکر سے بڑھ کر کوئی آفت نہیں
کون کہتا ہے کہ آمر شخصیت کا نام ہے!
آمریت سوچ ہے، یہ کوئی شخصیت نہیں

مخلص

زبانِ خلق ہے نقارۂ خدا ، تو سنو
زبانِ خلق کی صدا، دروغ گو کی نہیں
کرے جو جھوٹ کا پرچار سچ کے پردے میں
وہ اپنی قوم کا حقیقی پیشوا ہی نہیں

اچھّا اور بُرا

ان کے لیے اچھائی کی تعریف جدا ہے
رہبر ہے اگر ان کا تو سمجھو کہ خدا ہے
جس سے بھی ہوا ان کے اقتدار کو خطرہ
وہ شخص اگر نیک بھی ہے، تب بھی بُرا ہے

بے ضمیر

مُکر گیا جو زبان دے کر
یہ اُس کو بھی مانیں اپنا رہبر
ضمیر کی ہی غلامی کرتے!
اگر غلامی ہی ہے مقدّر

موقع پرست

جس نے نہ سمجھے آج تک عوام کے جذبات
وہ کر رہا ہے آج غریبوں کے حق کی بات
خود پر پڑیں مصیبتیں تو لوگ یاد آئے
جب تک رہا سکوں میں، نہ تھیں لب پہ شکایات

تجزیے

چلتے ہیں بھیڑ چال جو، وہ کیا دکھائیں راہ
دھندلا ہو نقش تو لگے کوتاہی بھی گناہ
ہر زاویہ دکھائے حقائق کا، دے شعور
اُس دیدہ ور کے دم سے دلوں میں ہے حق کی چاہ

سچ اور جھوٹ

سچّائی بدل دینا ہے ان کو نہیں دشوار
ہے جھوٹ ان کی ڈھال ہی، اور جھوٹ ہی ہتھیار
کثرت سے اور شور سے لگتا ہے جھوٹ سچ
لازم ہے سچ کے واسطے، ان سے رہے ہشیار

نیکی اور بدی

اچھوں کی خامشی ہے بُروں کے لیے نوید
گوہر کی حفاظت کے لیے چاہیے حدید
اہلِ شعور نے نہ گر آواز اٹھائی
نیکی سے زیادہ نظر آئے گا ماہِ عید

جوانی

جس جوانی کے جوش میں تُو ہے
نہیں دائم رہے گی تیرے ساتھ
نہ لیا آج ہوش سے گر کام
تو بڑھاپے میں تُو ملے گا ہاتھ

عزّت

خامیاں رہبر کی ان کے ہم جو گنوانے لگے
کہہ پڑے: 'عزّت کرو، وہ رہنما ہیں قوم کے!'
بھاگتی عزّت ہے اُس کے پیچھے جو ہے مستحق
وہ کوئی عزّت نہیں جو مانگ کر لینی پڑے

معاہدے

ہیں اہم بہت ملک میں اپنے معاہدے
کچھ کام ہو نہ ہو، ہاں مگر ہیں معاہدے
کر کے معاہدہ کوئی باہر چلا گیا
آتا ہے کوئی ملک میں کر کے معاہدے

انسان اور حیوان

ہیں بے ضرر، کرنی نہ ہو گر پیٹ کی تسکین
نہ بھوک ہو نہ ڈر تو درندے بھی ہیں مسکین
رکھ کر شعور، ظلم وہ انساں نے کیے ہیں
اس کو درندہ کہنا، درندوں کی ہے توہین

موازنہ

دکھلائے ہمیں خواب انہوں نے حسِین سے
اور خود کو دی تشبیہ سدا بہترین سے
جب اصلیت ان کی نظر آئی عوام کو
کرنے لگے موازنہ وہ بدترین سے

جمہوری عمل

لمبے سفر تو ہوتے ہی آئے ہیں ازل سے
قومیں سبھی گزری ہیں اس جمہوری عمل سے
اوروں نے لگائے تھے اگر چار سو برس
ہم آٹھ سو برس میں فیض پائیں گے پھل سے

رُکاوٹ

سوچا اُنہوں نے کیوں نہ گرا دیں یہ حکومت
جس کی وجہ سے ڈوب رہا ہے ہمارا دیس
لیکن وصول کرتے ہی چپ ہو کے رہ گئے
اک فائل کاغذات کی اور اک بریف کیس

کمپیوٹر

انساں سے سارے کام مشینوں نے چُرائے
وہ کام بھی کیے ہیں جو ہم کر نہیں پائے
اب سوچنے کا کام بھی مشین کرے گی
ہم سی سخن وری ذرا کر کے تو دکھائے!

وکالت

گو فیصلے کرنے کا نہیں مجھ کو اختیار
انصاف دلانا ہے مگر میرا کاروبار

ہوتا ہے کس پہ کس کا کہاں کیسے کوئی وار
یہ فیصلہ کرتی ہے مرے ہاتھ کی تلوار

ہے مجھ پہ انحصار یہاں فتحِ عدل کا
انصاف کا خوں دیکھنے کو میں نہیں تیار

ایسا نہ کوئی فعل ہو سرزد مرے ہاتھوں
کر دے جو مجھے میری نگاہوں میں شرمسار

مر جاؤں گا پر میں بدی کا ساتھ نہ دوں گا
پیسے کی آب و تاب ہے میرے لیے بیکار

❁❁❁

دہشت گردی

دی زباں قدرت نے جس کو بات کرنے کے لیے
اور نوازا عقل سے، افکار کرنے کے لیے

وہ بنائے پھرتا ہے ہتھیار کو اپنی زباں
مدّعا کرتا ہے بربریت سے وہ اپنا بیاں

جس کو نائب اپنا خالق نے مقرر تھا کیا
سن کے بات ابلیس کی، انساں سے وحشی بن گیا

مٹ گیا وحشی درندوں اور انسانوں کا فرق
آفتابِ آدمیت ہوگیا ظلمت میں غرق

آگیا ہے پھر زمانہ ظلم کا اور جہل کا
کیا ہوا پیغام جو تھا رحم کا اور عدل کا!

جس جسد میں پھونکتا ہے روح ربِ کائنات
مارنے کا اس کو حق رکھتے نہیں انساں کے ہات

نقشِ یزداں کا بشر میں ہے اگر دیکھے کوئی
دشمنِ رب ہے، نشاں یہ ختم جو کردے کوئی

بزدلوں کی ہے نشانی وار کرکے چھپ رہیں
ہے اگر مردانگی تو سامنے آکر لڑیں

شرم آنی چاہیے اپنے پہ اِتراتے ہوئے
پیسہ ہے خیرات کا، ہتھیار ہیں مانگے ہوئے

مارنے مرنے پہ جو آجائے اُس کی ہے شکست
جو دلائل سے ہوا خالی، ہوا تیغاں بدست

ہے اگر حق پہ تو قائل کر دہر کو از بیاں
ہے زباں تاثیر سے عاری تو دل ہے بے ایماں

مٹ گئی ہر سلطنت جو تھی بنی شمشیر سے
ہے ثباتِ حاکمیت عقل اور تدبیر سے

خستہ ہے تعمیر جو ہے خوف کی بنیاد پر
قید کی زنجیر آخر اٹھتی ہے صیّاد پر

قتل وخوں ریزی سے اٹھتی ہیں فصیلیں درمیاں
نرمی و شائستگی سے جیت سکتا ہے جہاں

کیا کمایا نام جب تُو ہر جگہ بدنام ہے!
تجھ سے وہ اچھا ہے جو محبوب اور ناکام ہے

جارحیت کے سوا گر کچھ ترا رستہ نہیں
تو سمجھ لے تُو خدا کی بات کو سمجھا نہیں

یہ ہی گر کرتا رہا تو روئے گا، پچھتائے گا
ایک دن جگ سے ترا نام ونشاں مٹ جائے گا

تیرے ہر اک وار سے لاکھوں ترے دشمن بنے
کیا کرے گا رہبری جو اپنا ہی رہزن بنے

سمجھے کیوں مقبول نفرت خانۂ یزداں میں ہے
جب رضا ہی اُس خدا کی خدمتِ انساں میں ہے

بے رحم رحمٰن کی جنّت میں کیسے جائے گا!
دو جہاں میں محسنِ انسان عزّت پائے گا

ہیں بڑے دشمن ترے اندر چھپے رکھ اتنا یاد
ہو خلاف اب نفس کے اور جہل کے تیرا جہاد

چھُپ کے جو کرنا پڑے، ہے کام وہ اچھا نہیں
مارے جو معصوم کو وہ مرد کا بچّہ نہیں

ظلمتیں کیا کم کرے گا ساکنِ ظلمت کدہ
جو بھی دہشت گرد ہے، دراصل ہے دہشت زدہ

نظام

ایک دن اک راستے سے ہوگیا میرا گزر
اک گلی کے گوشے میں بیٹھا ہوا تھا ایک خر

چند بچّے کرتے تھے اُس بے ضرر حیواں کو تنگ
کوئی اُس کو چھیڑتا تھا، مارتا تھا کوئی سنگ

میں نے اُن بچّوں کو خر کے پاس سے ہٹکا دیا
جاتے جاتے بھی اُنہوں نے خر کو اک دھکّا دیا

تھوڑا ہی آگے گئے جب، ڈر کے تھرّانے لگے
اور پھر بھاگے سبھی جیسے کہ سب کو پر لگے

میں ہوا حیراں کہ آخر کیا ہے یہ سب ماجرا
اِن کی بے باکی کو تھوڑی دور جا کر کیا ہوا!

دیکھا جب نزدیک جاکر، راز یہ مجھ پر کھلا
تھا بہت خُوں خوار اک کُتّا وہاں بیٹھا ہوا

سچّائی

کوئی آ جاتا ہے خود اور کسی کو لوگ لاتے ہیں
نمائندے بھی اور آمر بھی یہ کہلائے جاتے ہیں

ہے جو بھی فرق وہ تھوڑا ہی ہے دونوں کے آنے میں
وہ قبضہ کر کے آتے ہیں، یہ دھوکہ دے کے آتے ہیں

کوئی کہتا ہے اِن کا قبضہ ہے، ہم چھین لیتے ہیں
کوئی کہتا ہے وہ تو ملک پہ قبضہ جماتے ہیں

کہیں لوگوں کی نادانی، کہیں تنظیم کی طاقت
عناصر مختلف ہیں، مختلف لوگوں کو لاتے ہیں

اگر آ ہی گیا ہے کوئی جیسے بھی حکومت میں
پھر اُس کے کام ہیں کردار جو اُس کا بتاتے ہیں

وہ توڑیں کچھ شقیں آئین کی قبضہ جمانے کو
ہیں باقی کچھ شقیں جن کا تماشہ یہ بناتے ہیں

جو ہو علم اور شعور اس قوم میں، ہو جائے ناممکن
کہ وہ بدحال ہوں جو ان کو ایوانوں میں لاتے ہیں

رہی ہے کوشش اُن کی، لوگوں میں نہ آگہی آئے
کہ وہ ہی آئیں ہر ہر بار جو ہر بار آتے ہیں

اگر تبدیلی ہے لانی تو اس کا ایک ہی حل ہے
عقل سے کام لیں اُس دن، مُہر جب ہم لگاتے ہیں

گدائی

کہتا ہے کون صرف بھکاری ہے مانگتا!
ہر فرد مانگنے کی ہے تصویر سراپا

کچھ کُھل کے مانگ لیتے ہیں حق اپنا سمجھ کر
اور کوئی اشاروں پہ ہی کرتا ہے اکتفا

کچھ چھینا جھپٹی کے مثالی فن میں ہیں ماہر
اور کوئی دوسروں کی جیب سے ہے چُراتا

کوئی کسی احسان کی رکھتا ہے آرزو
کوئی کسی سے رحم کی ہے بھیک مانگتا

کچھ صاحبِ زر ہو کے بھی ہیں محوِ گدائی
کوئی ہے خالی ہاتھ ہی سائل بنا ہوا

کوئی ہے اپنے فن کی ستائش کا طلبگار
اور کوئی مہربانی کی رکھتا ہے تمنا

اپنے لیے مانگے ہے کوئی سب کو بھُلا کر
اور کوئی عزیزوں کو اپنے ہے دلا رہا

افسر ہو، صحافی ہو، ہو منصف، یا ہو وکیل
بازار میں ہے دام سبھی کا لگا ہوا

پیسہ ہے کہیں اور کہیں فائدے کچھ اور
ہے مال کے حساب سے قیمت جدا جدا

عہدے میں ترقی کی چاہ رکھتا ہے کوئی
مانگے کوئی تنخواہ میں ہے اپنی بڑھاوا

کوئی ٹکٹ طلب کرے ہے قبلِ انتخاب
اور بعدِ انتخاب وزارت ہے مانگتا

اُتنی بڑی قیمت پہ بیچ دیتا ہے خود کو
جتنے اہم ادارے سے ہے وہ جُڑا ہوا

لے لیتے ہیں کچھ لوگ یہاں چھوٹ ٹیکس سے
اور کوئی دھڑلّے سے یاں رشوت ہے مانگتا

کرتا ہے مسلسل کوئی شہرت کا تعاقب
کوئی محبتوں کی چاہ میں ہے تڑپتا

رکھتا ہے کوئی نیچا دکھانے کی آرزو
عزت کے پیچھے کوئی ہے دن رات بھاگتا

کچھ صاحبِ مسند سے عنایت طلب کریں
اور کوئی خود ہی چاہے ہے مسند پہ بیٹھنا

دیکھے ہے کوئی کرسی کو حسرت کی نظر سے
کوئی ہے خالی کرسی دیکھتے ہی جھپٹتا

جو حق نہیں دیتا کسی کو مانگنے پہ بھی
ہے ووٹ مانگتے ہوئے عاجز بنا ہوا

مانگے ہے زمیں فلک سے وہ جوہرِ نایاب
جو ہے خمیرِ بے نیاز سے بنا ہوا

مذاق

قوم کا ہر غم بھلا کر ہر کوئی اِس پر لڑا
تیرا جلسہ تھا بڑا یا میرا جلسہ تھا بڑا

صوبوں کو مرکز نے اب کر تو دیا با اختیار
صوبوں کی نا اہلیوں کا کون ہو گا ذمہ دار!

وہ رکھیں بنیاد منصوبے کی اپنے دور میں
یہ بنائیں نام، کر کے افتتاح اِس دور میں

کوئی بھی بیرونی طاقت ہم سے لڑ سکتی نہیں
ملک کے اندر ہماری ایک بھی چلتی نہیں

دیس کی مٹی سے ہے ہم کو محبت بے حساب
اور انسانوں کی مٹی روز ہوتی ہے خراب

تجدید

یہ ہم کو مٹائیں گے جب تک ہم اِن کو بنائیں جائیں گے
تقدیر نہ بدلے گی جب تک یہ بت نہ گرائے جائیں گے

تھی تم سے بہت امید مگر نہ تخت گرے نہ تاج اچھلے
جب تک نہ جاگیں گے ہم سب، یہ نعرے ضائع جائیں گے

دل کھول کے لوٹا دیس کو اِن جمہور کے دعویداروں نے
جو زخم دیے اپنا کہہ کر، وہ کیسے بھلائے جائیں گے!

ہوں بم کے دھماکے، گولی چلے، یا دہشت کا سیلاب بہے
دشمن کے ادنیٰ حربوں سے اب ہم نہ ڈرائے جائیں گے

آخری بات

وعدوں سے اور نعروں سے دھوکا نہیں کھانا
بہکائے کوئی جتنا بھی، لالچ میں نہ آنا

اپنا بھلا تو سوچتے رہتے ہو ہمیشہ
اِس بار سب کا سوچ کے تم مُہر لگانا

جب فیصلہ کرنے لگو اِس ملک کی خاطر
مظلوموں کی حالت کو اپنے سامنے لانا

جس سے ہے عقیدت تم اُسے دل میں جگہ دو
پر خیرخواہِ قوم کو ایوان میں لانا

باتوں میں بہت تم کو گھمائیں گے یہ شاطر
جو بھی کہیں، اعمال اِن کے تم نہ بھلانا

ایسا نہ ہو کہ ووٹ تمہارا کرے مشکل
مفلس کے لیے زندگی کا دیپ جلانا

ہے جیت بُروں کی، رہیں اچھے اگر خموش
چھانا ہے بُرائی پہ تو آواز اٹھانا

خوشحال ہو گا ملک تو ہوں گے سبھی خوشحال
ہوں چند لوگ خوش تو نہ رہ پائے گھرانا

خود ہی غلام بن گئے ہو بُت تراش کر
آزادی کی نمود ہے بُتوں کو گِرانا

خزاں کے بعد

مایوس نہ ہو دشت ہے گر گلستاں کے بعد
ہے موسمِ بہارِ صبا ہر خزاں کے بعد

ہے جذبہ و یقین و عمل اصل زندگی
ہے مقصدِ حیات ترا جسم و جاں کے بعد

گزرے گا کٹھن راہ سے گر حوصلے کے ساتھ
پائے گا منزلت نئی ہر امتحاں کے بعد

گفتار ہے کردار کا آئینہ یاد رکھ
سیرت تری رسوا نہ ہو تیرے بیاں کے بعد

ساحل پہ کھڑے رہنا نہیں ہے ترا شیوہ
لال و جواہرات ہیں موجِ رواں کے بعد

ہے تحفہءِ حیات کا شکرانہ بس ایثار
نہ ہوگا زیست سے عدل اس کے زِیاں کے بعد

نہ سوچ عمر کیسے بسر ہوگی تری یاں
کر فکر کیا بنے گا تری داستاں کے بعد

یہ مشکلیں جہاں کی نہیں ہوتیں بے معنی
ہیں منزلیں کئی بحرِ بے کراں کے بعد

کردار

توقیر خامشی کی کہاں ہے کلام میں!
شمشیر کی ہیبت ہے رہے گر نیام میں

مانگے سے نہیں ملتی جہاں میں کبھی عزت
کردار سے لا عزّ و جاہ اپنے نام میں

افعال میں وہ خو ہو، زباں میں ہو وہ تاثیر
دشمن بھی سر جھکائیں ترے احترام میں

باطل کی غلامی ہے فقط ایک اسیری
آزاد تُو نہیں، ہے جو خواہش کے دام میں

ہو درگزر کی خُو تو مخالف بھی دوست ہے
کیا خوب انتقام ہے اس انتقام میں

جنبش نہ دے زباں کو، سراپا پیام بن
اعمال گر نہیں ہیں تو کیا ہے پیام میں!

باطل

باطل سے معافی کا طلبگار نہیں ہوں
بسمل تو ہوں مگر میں گنہگار نہیں ہوں

کیوں غم کروں کہ دیتے ہیں دھوکا سبھی یہاں
سرشار ہوں کہ ان سا میں عیّار نہیں ہوں

میدانِ عمل میں ہوں مصائب کے مقابل
اندیشۂ ناکامی سے دوچار نہیں ہوں

کھاؤں گا زخم بارہا، کرنے نہ دوں گا وار
سرخم ہے، یہ نہ سمجھو کہ بیدار نہیں ہوں

کہتا رہا لبیک صدائے ضمیر پر
سو اجل کی صدا پہ شرم سار نہیں ہوں

کرتا ہوں فیصلے میں نہ عجلت نہ پس و پیش
جو عمل نہ کرے، وہ عملدار نہیں ہوں

اشکوں سے مٹ نہ جائے لہو سے لکھی تقدیر
خامہ ہے خونچکاں، پہ اشکبار نہیں ہوں

جھیلی ہیں سختیاں سدا، بانٹا ہے صرف پیار
صحبت میں گلوں کی پلا اک خار نہیں ہوں

کرتا ہوں اُس پہ وار جو ہے حق کے مقابل
معصومیت سے برسرِ پیکار نہیں ہوں

فقدانِ تمدن نے کِیا تم کو صف آرا
میں امن میں ہوں، تم سا میں لاچار نہیں ہوں

آرام پسندی تری عادت ہی نہ بن جائے
غمخوار ہوں پر شجرِ سایہ دار نہیں ہوں

پنہاں ہے سرزنش میں ہی آزار سے شفا
یاری ہے اگر مدح، تو میں یار نہیں ہوں

خلقِ خدا کا بار اٹھاؤں گا بار بار
ہاں خودکشی کے شانوں پہ میں بار نہیں ہوں

وہ عشق جو شہکار سے بیکار بنادے
صد شکر ایسے عشق کا بیمار نہیں ہوں

عزت اور احترام مرا شیوہ ہے مگر
طاقت کے آگے جھکنے کو تیار نہیں ہوں

باتیں نہ سمجھ آئیں تو کیا، مجھ کو جان لو
گفتار ہے دشوار، میں دشوار نہیں ہوں

زندہ

صور پھونکا چاہیے محشر مچانے کے لیے
حوصلہ تم میں کہاں مجھ کو مٹانے کے لیے

ہُوں مصائب میں پلا، کیونکر ڈراؤ گے مجھے
ست بحر کافی نہیں سورج بجھانے کے لیے

ہوگئے خود ہی پریشاں عزم میرا دیکھ کر
آئے تھے دیوار جو حق کی گرانے کے لیے

دیکھتا ہوں ظلم کو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
کر نِگہ نیچی مجھے نیچا دِکھانے کے لیے

پھر اُٹھے گی خاک سے اک موجِ خوں دیوانہ وار
زعم میں اکڑے ہوئے یہ بت گرانے کے لیے

تیری طاقت سنگ ترے ہوگی فنا اِس دور میں
میری ہمت مثل ہے اگلے زمانے کے لیے

ہے ترے گفتار میں پنہاں ہوسِ زور و زر
سچ ترے کردار کا گویا بتانے کے لیے

پایا میرے خوں پسینے کا ثمر تُو نے سدا
یہ جواہر اب نہیں تیرے خزانے کے لیے

سوُرما

لطف وہ ساحل پہ کیا جو موجِ طوفانی میں ہے
امتحانِ سورما دریا کی طغیانی میں ہے

ہو برائی حق پہ حاوی، یہ کبھی ہوتا نہیں
فتحِ باطل کا سبب خود تیری نادانی میں ہے

بانٹ کر خوشیاں مرے دل نے مزہ پایا بہت
یہ سکونِ دل کہاں زر کی فراوانی میں ہے!

جامہءِ غارت گری سے اچھی ہے برہنگی
بھیس میں تیرے کہاں جو میری عریانی میں ہے

دے کے مجھ کو گالیاں وہ خود ہی شرمندہ ہوا
ہے کہاں دشنام میں جو رس گل افشانی میں ہے

ہو خوشی تجھ کو مبارک، میں پریشاں ہی سہی
لطفِ تخلیقِ فکر میری پریشانی میں ہے

ریشم و کمخواب سے بڑھ کر ہے خودداری مری
ہے خودی میں شان وہ جو تاجِ سلطانی میں ہے

ہُوں فکر میں غرق خلقت کی مگر غمگیں نہیں
رونقِ کون و مکاں اس دل کی ویرانی میں ہے

ثمر

لڑتا ہوں تنِ تنہا میں بے دادگر کے ساتھ
ایسا نہیں پایا کہ جو ٹکرائے شر کے ساتھ

شمشیر تمہاری ہے تو دانشوری مری
اے تیغ زنو! میں بھی ہوں اپنی سپر کے ساتھ

نہ مشکلیں ہوں ساتھ جو جینے کا مزہ کیا!
طوفاں میں لگاتا ہوں سفینہ بھنور کے ساتھ

کوشش مرا طریق ہے، انجام کا ڈر کیا!
رشتہ ہے آبیاری کا پیہم ثمر کے ساتھ

اُمید

ہر یورشِ ظلمات سے بے باک لڑا ہوں
گرتے گئے سبھی یہاں، میں اب بھی کھڑا ہوں

رنج و الم، مصیبتیں، مایوسی، سختیاں
جتنے بڑے ہو جائیں، میں اِن سب سے بڑا ہوں

ہر رنج سے آزاد ہوں، ہر ڈر سے بے نیاز
جو حق سے اَڑتے آئے ہیں اُن سب سے اَڑا ہوں

سب ظالموں کے قلب میں چبھتا ہوں مثلِ خار
مظلوم کی انگشت میں ہیرے سا جڑا ہوں

راز

جو کِیا میں نے عیاں، تیرے لیے اک راز ہے
تیری سوچوں سے بہت اونچی مِری پرواز ہے

پہلے کرتی ہے ملامت، ہوتی ہے پھر مستفید
عقل کی تکریم کا دنیا کا یہ انداز ہے

تو رہا کانٹے بچھاتا، میں سرِ منزل ہوا
تو پریشانی میں گم، اور مجھ کو خود پہ ناز ہے

تہہ میں جا کے بن گیا گوہر تو حاصل کیا ہوا
پھر ابھرنے کی خلش توقیر کی غماز ہے

عقل و دانش روشنی نہ دیں تو پھر کس کام کے
جہلِ مطلق ہے خرد، تعلیم سے گر باز ہے

ہے زیاں آہن کا، جسمِ نا رسا ہے قید میں
حیف ناداں! جابجا پھیلی میری آواز ہے

سوچ کی وسعت میں ضم ہے آدمی کی دسترس
بندشِ افکار ہی انجام کا آغاز ہے

جو کہا بھولے سبھی، جو کردیا ہے سامنے
شورِ کلمہ کو فرو کرتا عمل کا ساز ہے

مالِ بخشش ہے کہ جو محنت سے نہ حاصل ہوا
فیصلہ کرلے کہ تو کرگس ہے یا شہباز ہے

❂❂❂

آزاد

نہیں فکر مجھ کو کہ برباد ہوں
خوشی کچھ نہیں ہے، مگر شاد ہوں
میں آزاد ہوں

ہے سب کچھ مگر رو رہے ہیں سبھی
مِری جیب خالی ہے، خود زاد ہوں
میں آزاد ہوں

یہ نومیدی کیا ہے، مجھے کیا پتہ!
امیدوں کی سب کے لیے ناد ہوں
میں آزاد ہوں

ہیں خواہش کے قیدی بیچارے یہ لوگ
میں ہر اک تمنّا سے آزاد ہوں
میں آزاد ہوں

ستائش کے بھوکے ہیں کیوں اہلِ فن!
میں خود اپنے فن کی ہُوا داد ہوں
میں آزاد ہوں

ہیں دوڑے چلے جا رہے سب کے سب
خراماں خراماں سی میں باد ہوں
میں آزاد ہوں

میں مشکل کو مشکل نہیں مانتا
نئی سوچ کرتا میں ایجاد ہوں
میں آزاد ہوں

نہ مانگا کبھی کچھ، نہ وعدے لیے
نہ بلبل ہوں میں، نہ ہی صیّاد ہوں
میں آزاد ہوں

مسافر گرے تھک کے جس راہ پر
وہیں سے نئی کرتا اک آد ہوں
میں آزاد ہوں

خوشی اپنے اندر ہے، بھوُلے سبھی
مگر میں یہ رکھتا سدا یاد ہوں
میں آزاد ہوں

مصیبت بھی آئے تو کیا ہو گیا!
غموں کے لیے ایک افتاد ہوں
میں آزاد ہوں

پریشان ہو کر ہیں سب پوچھتے
میں کیوں ہنس رہا ہوں، میں کیوں شاد ہوں
میں آزاد ہوں!

فوج

ہے حوصلہ جوان، ارادہ چٹان ہے
سات آسمانوں سے بلند اپنی اڑان ہے

ہے باوقار و باوضع اپنی ہر ایک خو
خاموش یہ زباں ہے مگر گرم جستجو
ہر ایک اپنے وقت پہ شعلہ بیان ہے
سات آسمانوں سے بلند اپنی اڑان ہے

ہے خدمتِ ملت و وطن دھرم ہمارا
کر نہ سکا کمزور اسے وقت کا دھارا
الغرض صبح و شام ہتھیلی پہ جان ہے
سات آسمانوں سے بلند اپنی اڑان ہے

آرام نہیں کرتے ہیں بیباک سپاہی
ہو دن کی روشنی یا ہو راتوں کی سیاہی
جرأت و شجاعت و عزم اپنی شان ہے
سات آسمانوں سے بلند اپنی اڑان ہے

عورت

کروں ایثار جتنا، تم سے میں نے دکھ ہی پایا ہے
وگرنہ جس نے جو بویا ہے اس نے وہ کمایا ہے

مِری دہلیز وا ہے چاہے جو تم نے خطا کی ہو
مجھے سمجھا نہ جو دہلیز پہ پتھر لگایا ہے

تپش حالات کی آنے نہ دی میں نے کبھی تم پر
کھِلے ہو پھول سے جس کے تلے وہ میری چھایا ہے

جہاں آنسو بہے میرے ستم ہائے زمانہ پہ
وہاں بے دردیءِ دل نے تمہاری خوں بہایا ہے

کِیا جامِ شہادت نوش بھی میں نے تو اس سے قبل
طِفل کو شیر اور سپاہ کو پانی پلایا ہے

نہیں کہتی کرو پوجا مِری پر یاد یہ رکھنا
جسے تم پوجتے ہو اس نے ہی مجھ کو بنایا ہے

مِری ہی ہار کی مرہونِ منت ہے تمہاری جیت
کہ جو اعزاز میں نے کھویا ہے وہ تم نے پایا ہے

ہوُں صدیوں سے سراپا عرضِ امن و آشتی لیکن
مجھی پہ تم نے اپنی سنگدلی کو آزمایا ہے

نہیں قابل محبت کے تو کیوں ہے واسطہ مجھ سے!
محبت کے بِنا رب نے کوئی رشتہ بنایا ہے!

تمہارے جسم کا ہی ایک حصہ ہوں اگر سمجھو
خدا نے سوچ کر ہی ایک سے دو کو بنایا ہے

بہت ہے زعم اپنے زورِ بازو پہ تمھیں، آخر
کسی ناری نے ہی اس جسم کو پرواں چڑھایا ہے

اگرچہ سختیاں جھیلی ہیں ہر اک گام پہ میں نے
لطافت ہے مِری جو صنفِ نازک لقب پایا ہے

ہے بے رونق تخیّل بھی بِنا زن، یہ جہاں کیا ہے!
یہ میں ہی ہوں کہ جس کے حسن نے جگ کو سجایا ہے

کھِلی ہو دھوپ آنکھوں میں تو نظریں مہر پہ کیوں ہوں!
جدا ہو کے ہی جانو گے کہ تم نے کیا گنوایا ہے

چلے بھی جاؤ گے جنت میں تو یہ یاد رکھ لینا
مِرے بَل نے تمہیں جنت سے رخصت بھی کرایا ہے

تمہارے نفس کی آزادیاں بھی میرے سر پر ہیں
کہ اپنے پاپ کا الزام بھی مجھ پر لگایا ہے

ہُوا کیا گرچہ ہے رکھا گیا مجھ کو اندھیرے میں!
مِلا ہے جب مجھے موقع، پلٹ دی میں نے کایا ہے

نہیں کرتی رحم تردامنوں پہ تو خدائی بھی
ہوئی فردوس جس پہ کم، وہ اِس دل میں سمایا ہے

نصیحت

مرے بچّو سنو میری نصیحت غور سے تم آج
کرو گے گر عمل اس پہ، بنو گے اس جہاں کا تاج

وہ مفلس ہے غنی، نعمت خودی کی جس نے پائی ہے
نہ ہو خودداری انساں میں تو شاہی بھی گدائی ہے

یقیں کرنے سے پہلے بات کی تصدیق کرلینا
کوئی رائے بنانے سے قبل تحقیق کرلینا

ہیں جتنے فرقے دنیا میں وہ انساں نے بنائے ہیں
خدا نے تو جہاں میں ایک سے انساں بنائے ہیں

ذہن سے اس لیے ہر شخص کو رب نے نوازا ہے
کرے ہر فرد غور اور فکر، قدرت کا تقاضا ہے

برائی کے عوض تم بھی برائی ہی کرو گے جب
تو پھر بتلاؤ کہ اچھائی کا آغاز ہوگا کب!

اگر تم کو شعور و آگہی کی نِعَم حاصل ہیں
فرائض میں تمہارے درس و آموزش بھی شامل ہیں

کوئی جیسا بھی ہو، تم خود کو برتر نہ سمجھا لینا
تکبر دل میں آئے تو قضا کو یاد کرلینا

جہاں میں غم سے عاری کوئی بھی انساں نہیں ہوتا
نہ ہوتا درد تو لطفِ سرِ درماں نہیں ہوتا

اگر چھِن جائے سب کچھ تم سے تب بھی غم نہیں کرنا
ارادہ اونچا رکھنا اور کوشش کم نہیں کرنا

کِیا اُس نے جہاں میں نام پیدا جس نے کوشش کی
وہ زندہ ہی نہیں، ہے چاہ جس کے دل میں بخشش کی

تمھیں دنیا میں بھیجا رب نے اس کا کوئی مقصد ہے
جہاں ہے حدِ کائنات، تمہاری بھی وہیں حد ہے

ملے جو علم مکتب سے، بحر میں ایک قطرہ ہے
کہ ریگِ لب سمندر کے جواہر سے بے بہرہ ہے

سنو سب کی نصیحت لیکن اتنا یاد رکھ لینا
ضمیر و عقل اپنے بھی تم استعمال کرلینا

اگر خود کو بنانا چاہتے ہو ایک طاقت تم
نہ کرنا خود کو خوف اور خواہشوں کے جنگلوں میں گم

کوئی بھی فیصلہ تم طیش کی حالت میں نہ کرنا
نہ ہی الزام اپنے فیصلوں کا اوروں پر دھرنا

جُڑا تعبیر سے ہر خواب ہے، ہر چند یکتا ہے
خیالوں میں سما سکتا ہے جو، وہ ہو بھی سکتا

کمی ہو کوئی انساں میں تو استقلال ہے لازم
کہ ہے خود اعتمادی ہر فصیلِ راہ کی حادم

ہے بس اک سنگ ناکامی، تمہاری راہِ نصرت کا
کہ قدرت امتحاں لیتی ہے دل والوں کی ہمت کا

وہی منزل پہ پہنچا اٹھ گیا جو گِر کے ہر ہر بار
کہ جتنے پھول گلشن میں ہیں، رستے میں ہیں اُتنے خار

کِیا دنیا میں اُس نے نام، ہوا جو خود سے بیگانہ
ہوا محبوب وہ، پہلے جو کہلایا تھا دیوانہ

چلے ہے نام کچھ ہی دوُر نسلوں کی وساطت سے
رہے زندہ سدا دنیا کو جو بھر جائے راحت سے

کرے تنقید جو تم پر، اُسے اک دوست جانو تم
کہ اپنی خامیاں، اور خوبیاں اوروں کی، مانو تم

کرو نیکی کوئی جب تم، صلے کی آس مت رکھنا
بھلائی یاد ہو سب کی، پر اپنی یاد مت رکھنا

سنو گر بات اچھی، یہ نہ دیکھو کون کہتا ہے
کہ ہر اچھا عمل اچھوں کی ہی نظروں میں رہتا ہے

وہ دانا ہے جو ڈھونڈھے ہر بُری شے میں بھی اچھائی
جو مثبت دیکھے منفی میں، وہی پائے گا سچائی

خوشی کے پیچھے سب ہی بھاگتے ہیں، یہ ہی ہے دستور
مگر جو غم کو اپنائے، نہ ہوگا وہ کبھی محصور

جو بننا چاہتے ہو وہ ہمیشہ ذہن میں رکھنا
کہ اپنا ہر عمل اس کے مطابق ہے تمہیں رکھنا

نہ چھوٹے ہاتھ سے انصاف کا دامن، یہ رکھنا یاد
کہ کرسکتا ہے اک لمحہ کسی کی زندگی برباد

مصائب سے جو گھبرائیں، مصائب اور بڑھتے ہیں
اندھیرا ہی نہ ہو تو پھر کہاں تارے چمکتے ہیں!

خوشی جتنی بھی ہو چھوٹی، ہمیشہ قدر کرنا تُم
مِلے جتنا بھی غم لیکن کبھی نہ آہ بھرنا تُم

نہیں پیشہ کوئی ادنیٰ کہ ہر پیشے میں حُرمت ہے
نظامِ زندگی ہر فرد کا مرہونِ منّت ہے

روِش مدّھم ہے یاں سب قافلوں کی، اور دلوں میں ڈر
ذرا سی تیز ہو رفتار جس کی، وہ بنے رہبر

وہ رستے میں ہی رہ جائے گا، ٹھوکر کھا کے جو رویا
ارادہ جب تلک ہے پاس، تم نے کچھ نہیں کھویا

مزہ کیا زندگی کا ہر پہر گر ایک سا ہو جائے!
وہی ہے سوُرما گر گر کے بھی ہر بار جو اُٹھ جائے

اگر ہو جاؤ تنہا، اپنی ہمّت خود بڑھا لینا
نہ ہو رستہ، تو اپنا راستہ خود ہی بنا لینا

نہیں ہوتی ضرورت کامرانی کو زمانے کی
کہ ہر ہر فرد میں طاقت ہے دنیا کو ہِلانے کی

سمجھنا نہ جدا خود کو کبھی تم مُلک و ملّت سے
جُڑے ہو تم ریاست سے، سیاست سے، عدالت سے

وسائل دنیا کے محدود ہیں یہ یاد رکھنا تم
زیاں ان کا کسی کو کرنے نہ دینا، نہ کرنا تم

ہزاروں راز افشا ہونے کے ہیں منتظر ہر جا
یہ سب اسرار کھُلتے ہیں جو ہوں علم و عمل یکجا

ماں

یوں تو کرتے ہیں سبھی اس شوق سے چرچا ترا
پر دیا نہ تجھ کو وہ رتبہ جو ہے رتبہ ترا
سال میں بس ایک دن کرتے ہیں تیرا ذکر کیوں!
سچ کہیں تو سال کے ہر دن میں ہے نقشہ تیرا

مشکلوں کی ہر گھڑی میں ساتھ ہے تیری دعا
تو نے نہ چھوڑا کبھی گو چھُٹ گیا ہر آسرا
جس جہنم کی تپش نے کردیا اپنوں کو غیر
اس نرک کو سرد کرتا ہے فقط سایہ ترا

ہیں سبھی تیری بدولت میری یہ آسانیاں
تو نے مجھ کو زندگی دی جھیل کر دشواریاں
فکر کی تو نے سدا ہی شکم سیری کی مِری
اور مِری خاطر سہی ہیں شکم کی چنگاریاں

مجھ کو یوں پرواں چڑھایا آج خود پہ ناز ہے
میں جہاں بھی آج ہوں یہ بس ترا اعزاز ہے
سونپ دیں اچھائیاں اپنی مجھے لیکن سدا
میرے عیبوں کو کِیا تو نے نظرانداز ہے

یاد ہے میں نے سدا ہی اپنی ضد منوائی تھی
چیز جو بھی میں نے مانگی تُو نے وہ دلوائی تھی
وہ مری تحریر پہلی آج بھی مجھ کو ہے یاد
انگلیاں میری پکڑ کر تو نے جو لکھوائی تھی

جب اندھیرا دہشتوں کا دل پہ میرے چھایا تھا
تو نے ہی تو دل کو میرے حوصلہ دلوایا تھا
زندگی کی دوڑ میں تھا وہ مِرا پہلا قدم
ہاتھ کو ہاتھوں میں لے کر تو نے جو اٹھوایا تھا

لوریاں تیری تھیں جیسے کوئی پروائی چلے
ہو پہنچ اپنی جہاں تک، گود میں تیری پلے
جس کو پانے کی تمنا میں ہوئے بے حال ہم
دو جہانوں کی وہ جنت ہے ترے قدموں تلے

عمر بھر دیں تو نے میرے واسطے قربانیاں
کیا کوئی گِن پائے گا تیری وہ مہربانیاں!
کاش کہ ہو سکتی تھوڑی سی تلافی اُن کی بھی
ہیں اٹھائیں میری خاطر تو نے جو دشواریاں

جاگ کے کاٹِیں کئی راتیں فقط میرے لیے
اور سہی ہیں کتنی ہی باتیں فقط میرے لیے
اب تجھے راتوں کو نیند آتی ہے کیا آرام سے؟
کیوں ہوا مشکل یہ تجھ سے پوچھنا میرے لیے!

گو ہمیشہ مجھ کو سمجھا تو نے اپنی کائنات
میں نے نہ بخشا کبھی بھی تیری خوشیوں کو ثبات
ہوُں مگن اپنی ہی دنیا میں کبھی سوچا نہ یہ
کس طرح ہوتی بسر ہے آج تیری یہ حیات

تیرے احسانوں کی قیمت کون ادا کر پائے گا!
تو نے جو کچھ ہے کِیا وہ کیا کوئی کر پائے گا!
نہ ملے جنت، نہیں یہ غم، مگر ہے یہ خوشی
حشر میں نام اپنا تیرے نام کے ساتھ آئے گا

ارادہ

جو میں چاہوں
مِٹا دوں ہاتھ میں لکھی ہوئی ساری لکیروں کو
کروں واپس کمانوں سے نکلنے والے تیروں کو

جو میں چاہوں
چلی آئے یہ دنیا سر جھکا کر میری مُٹھّی میں
پِیا ہے عزم و ہمت کا خزانہ میں نے گُھٹّی میں

جو میں چاہوں
بدل دوں اُن کو میں تعبیر میں، دیکھے ہیں جو سپنے
پہنچ کر منزلِ مقصود پر روکوں قدم اپنے

جو میں چاہوں
زمیں پر پاؤں نہ رکھوں، پھِروں اُڑتی ہواؤں میں
کیوں ڈھونڈوں فرش پر جبکہ ہے منزل آسمانوں میں

جو میں چاہوں
گِرا دوں ہر رکاوٹ جو مرے رستے میں آتی ہے
چٹانوں سا مِرا پختہ ارادہ آزماتی ہے

جو میں چاہوں
ملا دوں خاک میں دشمن کی حکمت اور پُرکاری
کہ اِس دیوانی کی دیوانگی ہے عقل پہ بھاری

بنتِ آب

میں وہ لاچار بیٹی ہوں کہ جو خوشیوں کو ترسے گی
کسے معلوم تھا کہ برکھا اک دن یوں بھی برسے گی
نہیں کوئی مکاں میرا، نہ ہے سایہ کوئی سر پہ
نہ دِکھتا ہے کوئی رستہ، اگر جاؤں تو کس در پہ!
ہے ویراں ہر جگہ، جیسے کوئی بیدار ہی نہ ہو
نئ دنیا بساؤں کیا جہاں سنسار ہی نہ ہو

بھٹکتی ہوں میں ننگے پاؤں ان اجڑے دریچوں میں
کہ جو کھُلتے تھے ہر جانب بہاروں کے بغیچوں میں
جہاں میں دوڑتی پھرتی تھی، اُڑتی تھی ہواؤں میں
بنے کھلیان وہ ویراں، ہوئے پنہاں رواؤں میں
ہے وہ منظر یہاں جیسے کبھی گلزار ہی نہ ہو
نئ دنیا بساؤں کیا جہاں سنسار ہی نہ ہو

یہ خود سے پوچھتی ہوں میں کہ کس گھر سے چلی تھی میں
ہوئی گل رنگ وادی کیا، جہاں لاڈوں پلی تھی میں

ہے ڈوبی اس طرح ساری کی ساری آج پانی میں
سمایا جیسے کُل عالم عذابِ ناگہانی میں
لڑوں کیا اے خدا جب ہاتھ میں تلوار ہی نہ ہو
نئ دنیا بساؤں کیا جہاں سنسار ہی نہ ہو

وہ میرے خواب سب بکھرے، بسائے تھے جو آنکھوں میں
ہوئی ہوں ٹوٹ کر ٹکڑے، کبھی تھی ایک لاکھوں میں
نہیں امید کچھ بھی اب، کہ آئیں گی وہ خوشیاں پھر
جو میرے سنگ ہنستی تھیں بلائیں گی وہ سکھیاں پھر
کوئی گل کیا کھلے گا یاں جہاں اک خار ہی نہ ہو
نئ دنیا بساؤں کیا جہاں سنسار ہی نہ ہو

جواں میرے ارادے تھے، تھے اونچے حوصلے ہر دم
مری ہنستی صداؤں میں چھُپا جاتا تھا ہر اک غم
کہا کرتی تھی دنیا سے میں ہر اک غم مٹا دوں گی
یہ دنیا ہے بُری تو کیا، نئ دنیا بنا دوں گی
مگر وہ غم مٹائے کیا جو خود سرشار ہی نہ ہو
نئ دنیا بساؤں کیا جہاں سنسار ہی نہ ہو

نیا ہر رنگ میرے چہرے پر تھا کچھ عیاں ایسے
رگوں میں خوں کے بدلے دوڑتی تھی کہکشاں جیسے
کھلے تھے پھول ہر جانب مِری معصوم خوشیوں کے
مِرے قدموں سے تھے گلزار رستے میری گلیوں کے
ہوئی ہوں اب وہ گھر جس میں کوئی دیوار ہی نہ ہو
نئی دنیا بساؤں کیا جہاں سنسار ہی نہ ہو

وہ آنکھیں جو چمکتی تھیں امیدوں کے چراغوں سے
برستی ہیں وہ روز و شب دکھی ہو کر عذابوں سے
یہ سوچا تھا کروں گی دوُر دنیا کے اندھیروں کو
جنم دوں گی میں اپنے عزم سے اُجلے سویروں کو
بنا یہ عزم ایسی ناؤ کہ جو پار ہی نہ ہو
نئی دنیا بساؤں کیا جہاں سنسار ہی نہ ہو

مِری ہر سوچ تھی بے مثل، اور انداز یکتا تھا
مِرا ہر اک تخیل آسماں کی حد کو تکتا تھا
یہ دل زندہ تھا اس ڈھب سے کہ ڈر کو جانتا نہ تھا
شکستِ حوصلہ بھی چیز ہے کچھ، مانتا نہ تھا

ہوا خالی یوں گویا جذبوں کی یلغار ہی نہ ہو
نئی دنیا بساؤں کیا جہاں سنسار ہی نہ ہو

کبھی یہ سوچتی تھی آئے گا سپنوں کا شہزادہ
جو ہوگا بس مِرے جیسا، کرے گا پورا ہر وعدہ
نہیں کیا حق مِرا کہ میں بھی اپنی زندگی جی لوں!
یا ہونٹوں کی طرح زخموں کو بھی کانٹوں ہی سے سی لوں!
وہ دل ہی کیا کہ جس دل میں کسی کا پیار ہی نہ ہو
نئی دنیا بساؤں کیا جہاں سنسار ہی نہ ہو

پڑی ہوں آج یاں بے آسرا، بے حال آہوں سے
تکے جاتی ہوں ہر جانب میں ان بجھتی نگاہوں سے
نہیں کچھ سوجھتا مجھ کو کہ کس گلشن کا ہوں میں پھول
میں ہوں اک بوجھ دھرتی پہ یا ہوں قدرت کی میں اک بھول
رہا جینے میں کیا، مرنا بھی اب دشوار ہی نہ ہو
نئی دنیا بساؤں کیا جہاں سنسار ہی نہ ہو

وعدہ

یا رب! ہمارا تجھ سے یہ وعدہ ہے آج سے
نفرت کو ختم کردیں گے ہم اس سماج سے

الفت کا اور پیار کا پیغام دیں گے ہم
انساں کو پھر انسانیت کا نام دیں گے ہم

مل کے رہیں گے اور بٹائیں گے سب کا ہاتھ
عزت سے پیش آئیں گے اک دوسرے کے ساتھ

جو بھی خوشی ملے گی وہ بانٹیں گے مل کے ہم
اور دور کریں گے دکھی انسانیت کے غم

حاصل کریں گے شوق سے ہم علم و آگہی
پھیلائیں گے پھر علم کی دنیا میں روشنی

حق کے لیے آواز اٹھائیں گے ہم سدا
چلنے نہ دیں گے زور کبھی ظلم و جفا کا

شیریں ہماری بات، تو ہو گی ادا کمال
اخلاق میں، کردار میں ہم ہوں گے بے مثال

لالچ سے اپنے آپ کو رکھیں گے دور ہم
محنت کو ہم شعار بنائیں گے دم بدم

عقل اور تدبر کو بنائیں گے راہبر
اور جنگ جہالت سے ہم کریں گے عمر بھر

امید کا تازہ جہاں آباد کریں گے
مٹ جائیں گے پر تجھ کو نہ ناشاد کریں گے

صنفِ نازک

اگرچہ صنفِ نازک ہوں میں یہ اقرار کرتی ہوں
نہ سمجھو ناتواں مجھ کو اگر ایثار کرتی ہوں

یہ میرا حوصلہ ہے لڑ رہی ہوں موجِ طوفاں سے
سمندر جس قدر گہرا ہو ہنس کر پار کرتی ہوں

اگر سہہ لیتی ہوں ہنس کر ستم، یہ میری عظمت ہے
فلک بھی کانپے ہے جب میں پلٹ کر وار کرتی ہوں

سکوں سے بڑھ رہی ہوں جانبِ منزل میں ہر لحظہ
نہیں خائف خزاں سے میں، نہ فکرِ خار کرتی ہوں

سراپا ہوُں اگر شائستگی، یہ میرا شیوہ ہے
مگر اہلِ ستم کے حکم پہ انکار کرتی ہوں

نہ ہو امید گر پوری تو مجھ کو فکر کیونکر ہو!
نیا ہے حوصلہ ہر دن، سعی ہر بار کرتی ہوں

ہو میری جیت میں گر دیر تو یہ نہ سمجھ لینا
کہ ناکامی کے ڈر سے خود کو میں دوچار کرتی ہوں

اگر دم بھر کو میں رک جاؤں تو رک جائے یہ دنیا
چلوں تو برق کو بھی برسرِ پیکار کرتی ہوں

مجھے سمجھیں سبھی لیکن میرے افعال نہ سمجھیں
ہوں آساں خود مگر ہر کام میں دشوار کرتی ہوں

دُوسرا رُخ

جس نے تجھ کو یہ غم دیا ہوگا
اس نے بھی دکھ بہت سہا ہوگا

سوچ لے اُس کی بھی اذیت کو
جس نے تجھ پہ ستم کیا ہوگا

لا تصور میں صعوبت اُس کی
برہمی کا زہر فنا ہوگا

دل کسی کا جو توڑ سکتا ہے
کس اذیت سے وہ گزرا ہوگا

کل اگر تجھ پہ وہ احسان کرے
پھر تری نفرتوں کا کیا ہوگا!

کل وہ دنیا سے اگر رخصت ہو
اُس سے تیرا سلوک کیا ہوگا؟

ہو بالاتر تُو اِس جذباتیت سے
تجھ پہ اک دور نیا وا ہوگا

نہیں کر سکتا تُو کسی کو معاف
ترا رب کے حضور کیا ہوگا!

شریکِ حیات

مِری ہمدم مِری شریکِ حیات
آج کہتا ہوں تم سے دل کی یہ بات

نہیں کوئی بھی تم سا دنیا میں
تم ہو اک پھول غم کے صحرا میں

مِرے ہر غم کو ہنس کے بانٹتی ہو
دن مصیبت کے کتنے کاٹتی ہو!

مِرے مدّوجزر کی ساتھی ہو
ہر نفس ساتھ تم نبھاتی ہو

اپنا گھر میرے لیے چھوڑ آئیں
ناطے سب میرے لیے توڑ آئیں

وہ ماں تمہاری جو سہیلی تھی
وہ پدر جس کے ہاتھوں کھیلی تھی

وہ بہن بھائی جو کہ اپنے تھے
کہ جن کے ساتھ دیکھے سپنے تھے

سب سے رخصت ہوئیں مِری خاطر
دوُر سب سے ہوئیں مِری خاطر

مِرا اتنا خیال رکھتی ہو
خود پہ لاکھوں وبال رکھتی ہو

سوچتا ہوں وہ کیا لمحہ ہوگا
جسم میرا یہ جب فنا ہوگا

تم مِرے پاس بھی ہوگی یا نہیں
موت تم سے پرے نہ آئے کہیں

گر تمہارے بغیر جینا پڑا
کیسے کٹ پائے گا وہ وقت کڑا

مِرا رستہ ہو میری منزل ہو
تم ہی دھڑکن تم ہی مِرا دل ہو

تم کو کھو دینے سے میں ڈرتا ہوں
میں بہت پیار تم سے کرتا ہوں

تیرے لیے

کیوں غم زدہ ہے، کیوں رو رہا ہے!
کیوں اپنا دامن بھگو رہا ہے!

نظر اٹھا کے تو دیکھ ناداں
ہے ذرّہ ذرّہ جہاں کا شاداں

یہ جھلملاتی سی دھوپ تیری
یہ وادیءِ رنگ و روپ تیری

شجر سبھی لہلہا رہے ہیں
پرندے بھی چہچہا رہے ہیں

فلک پہ تارے بھی ہیں چمکتے
زمیں پہ گلشن بھی ہیں دمکتے

یہ جھیل کا جھلملاتا پانی
ہواؤں کی یہ سبک روانی

چمکتے سورج کی کرنیں روشن
یہ نیلا آکاش مثلِ درپن

یہ چاند روشن، یہ گھرے بادل
برستا مینا، حسین جل تھل

مزاجِ دریا میں جوش بھی ہے
حسِ سمندر خموش بھی ہے

یہ سب خزانے ترے لیے ہیں
حسیں زمانے ترے لیے ہیں

ہے زیست جاگی، تُو سو رہا ہے
کیوں یہ جواہر تُو کھو رہا ہے

نہیں ہیں بے معنی یہ نظارے
ہیں سب میں تیرے لیے اشارے

ثبات و ہمت کا مول کیا ہے!
کمی ترے پاس بول کیا ہے!

حیات ہر ذرّے میں رواں ہے
تو پھر ترا حوصلہ کہاں ہے!

ہو وہ نہاں یا عیاں، ہے تیرا
ہو عزم تو یہ جہاں ہے تیرا

۞۞۞

زندگی

دیتی ہے غم کی آہ، خوشی کا کبھی خمار
نفرت کبھی برسائے ہے، چھلکائے کبھی پیار
دشمن دکھائی دے ہے تو بن جائے کبھی یار
اے زندگی دِکھاتی ہے تو رنگ بے شمار

خوشیاں کہیں اتنی کہ سنبھالیں نہیں سنبھلیں
آنسو ہیں کہیں اتنے کہ روکے نہیں رکیں
چھائی کہیں خزاں ہے تو برسے کہیں بہار
اے زندگی دِکھاتی ہے تو رنگ بے شمار

کوئی نباہ کرکے بھی بے یار رہ گیا
بے انتہا خلوص آنسوؤں میں بہہ گیا
چاہے جو تُو ہوگا وہی، کوشش کریں ہزار
اے زندگی دِکھاتی ہے تو رنگ بے شمار

فاقے ہیں کہیں اور کہیں زر کی ہے بہتات
ہے شاہ کوئی اور ہے پھیلا کسی کا ہات
ہنستا ہے کوئی اور کوئی روتا ہے زار زار
اے زندگی دِکھاتی ہے تو رنگ بے شمار

کوئی بھری جوانی میں جاں سے گزر گیا
پہنچا کوئی وہاں کہ جی جینے سے بھر گیا
جینا تھا کسی کو، کوئی مرنے کو ہے تیار
اے زندگی دِکھاتی ہے تو رنگ بے شمار

کوئی ہے بدنما تو کوئی پیکرِ جمال
کوئی ہے ترستا کہ سُنا جائے اُس کا حال
پاتی نوا کسی کی ہے ساعتیں ہزار
اے زندگی دِکھاتی ہے تو رنگ بے شمار

شاکر ہے کوئی پھر بھی ہے محروم کرم سے
اور کوئی ہے مغرور، پہ ہے دُور الم سے
خوشیاں ہزار اور کہیں دیتی ہے غم ہزار
اے زندگی دِکھاتی ہے تو رنگ بے شمار

ہوتا ہے یوں بھی، کچھ نہ کِیا پر مِلا سبھی
اور یوں بھی کہ کوشش سے بھی پایا نہ کچھ کبھی
کھِلتے ہیں گل کہیں، کہیں اُگتے ہیں صرف خار
اے زندگی دکھاتی ہے تو رنگ بے شمار

پر جو بھی مِلے تجھ سے، ہمیں سب قبول ہے
اپنایا جو بھی پایا، یہ اپنا اصول ہے
اچھا ہو یا برا ہو، نمٹنے کو ہیں تیار
اے زندگی دکھاتی ہے تو رنگ بے شمار

خدا

دِکھتا ہے ہر اک شے میں مگر سب سے جدا ہے
بتلائے مجھے کوئی کہ کیا اور خدا ہے

رہتا ہے دل میں ہر گھڑی، ہوتا ہے مخاطب
کوئی نوا نہ آئے جہاں، اُس کی صدا ہے

ہوتا ہے کلام اُس سے کہ ہو جیسے روبرو
نہ ہوکے ہو موجود، یہ بس اُس کی ادا ہے

ہر حال میں اُس کا ہے تخیل درونِ دل
ہر پل ساعتوں میں بسی اس کی نِدا ہے

چھایا ہے نور عالمِ وقتی پہ اُسی کا
دیتی ہے جو فانی کو جلا، اُس کی رِدا ہے

ملک ہونا قابلِ تسخیر، ہے جذبہ بھلا
کیا کرو گے ہو گیا اندر سے جو یہ کھوکھلا

writeontop.com

978-969-441-175-2